پیشوا انٹرنیشنل

سہ ماہی رسالہ لندن

اردو زبان میں لندن سے گزشتہ سات برس سے مسلسل شائع ہونے والا منفرد سہ ماہی رسالہ

جلد 7۔ شمارہ 3۔ جولائی تا ستمبر 2020ء۔ زیر ادارت: رانا محمد حسن خاں

E-mail. peshwaltd@gmail.com

2.London road Morden Surrey SM4 5BQ. UK

www.peshwa.co.uk

RH Dream Weddings

RH DREAM EVENTS LIMITED

TEL: 020 3674 7909 MOB: 077 9299 8973

- Venue Hire
- Decoration
- Catering
- Cutlery & Crockery
- Service Staff

BEST OFFER BEST OFFER BEST OFFER BEST OFFER BEST OFFER

Package Price

- Event Management
- Cinematic Videography
- Photography
- DJ-Dhoolchi
- Chauffeur Service

2 London Road, SM4 5BQ Morden - Surrey

Tel. 020 3674 7909 - Mob. 077 9299 8973 (Mon-Fri 10:00 - 17:00)

Email: info@rhacs.co.uk - Web: www.rhdreamweddings.com

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم

چیف ایڈیٹر رانا محمد حسن خاں

نائب ایڈیٹر محمد ثاقب رشید مارکیٹنگ مینیجر رانا عبدالصمد خاں سرورق محمد سلیم انصاری

خصوصی تعاون آر۔ایچ ایکسیڈنٹ کلیم سروسز (پرائیویٹ) لمیٹڈ

اس شمارہ میں

آیت قرآن الحکیم۔حدیث النبیؐ۔مشعل راہ 2

اداریہ۔ ’’’غدار وطن اور بھارتی ایجنٹ‘‘ 3

دنیا کی تاریخ کا ایک انوکھا واقعہ!! 5

ایک ماں! بچوں کے سامنے لُٹ گئی!! 6

’’عوام، مسلمان سول اور فوجی افسر شاہی کے خواب‘‘ 8

آل پارٹی کانفرنس: اپوزیشن کے فیصلے!! 9

آج کی جمہوریت میں سچّا بھوکا ہے مگر جھوٹے کا پیٹ بھرا ہے کیوں...؟ 11

زخمی کانپوری۔۔۔زندہ رہیں تو کیا ہے مر جائیں ہم تو کیا؟ 13

غریب، بے بس، جاہل مسلمان کی پکار!! 14

انوکھی بارات! (افسانہ) 15

اسلامی جمہوریہ پاکستان میں سلام اور جمہوریت (قسط13) 18

’’مدینہ منورہ‘‘ (محبوب آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا محبوب شہر) (قسط2) 23

حامد میر کی (رسوائی) 26

مظلوم غالبؔ!! 29

’’کسی کے باپ کا ہندوستان تھوڑی ہے‘‘ (تعارف راحت اندوری) 31

گیلی لیو۔۔۔عدالت کے کٹہرے میں!! 33

ہومیوپیتھک نسخہ جات (جلد، خارش، چنبل 3) 35

شمائل نبوی ﷺ (آنحضرت ﷺ کے قبولیت دعا کے واقعات) (قسط10) 37

آوارگانِ دشتِ خار (قسط23) شرابی، سرکاری مولوی!!!۔’’سرتن سے جدا کرنے والے مُلّا، مدارس میں جنسی درندگی پر خاموش کیوں؟‘‘۔میرا جسم میری مرضی۔ بھٹکا پروفیسر۔درس نظامی۔بنیادی اختلاف موجود نہیں!۔دائرہ اسلام سے خارج!۔ 40

شعر و شاعری: ساجد محمود رانا۔امتہ الباری ناصر صاحبہ۔رانا محمد حسن۔ عزیز عادل۔منیر احمد باجوہ۔ نازؔ مرادآبادی۔شانتی لال ملہوترہ۔ جمشیدؔ اعظم چشتی۔ بشریٰ حفیظ صاحبہ۔راحت اندوری۔بشارت سکھی۔راجہ محمد یوسف خان 46

PESHWA MAGAZINE INTERNATIONAL

E-mail. peshwaltd@gmail.com

2.London road Morden Surrey SM4 5BQ. UK

قیمت فی شمارہ 1 پاؤنڈ ... سالانہ ممبر شپ فیس برطانیہ 14 پاؤنڈ یورپ 18 یورو آسٹریلیا و امریکہ 25 پاؤنڈز

www.peshwa.co.uk

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

القرآن الحکیم: اَلَا لِلّٰہِ الدِّیۡنُ الۡخَالِصُ ؕ وَ الَّذِیۡنَ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اَوۡلِیَآءَ ۘ مَا نَعۡبُدُہُمۡ اِلَّا لِیُقَرِّبُوۡنَاۤ اِلَی اللّٰہِ زُلۡفٰی ؕ اِنَّ اللّٰہَ یَحۡکُمُ بَیۡنَہُمۡ فِیۡ مَا ہُمۡ فِیۡہِ یَخۡتَلِفُوۡنَ ۬ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَہۡدِیۡ مَنۡ ہُوَ کٰذِبٌ کَفَّارٌ ۔ (سورۃ الزمر آیت ٤)

خبردار! خالص دین ہی اللہ کے شایانِ شان ہے اور وہ لوگ جنہوں نے اُس کے سوا دوست اپنا لئے ہیں (کہتے ہیں کہ) ہم اس مقصد کے سوا اُن کی عبادت نہیں کرتے کہ وہ ہمیں اللہ کے قریب کرتے ہوئے قرب کے اونچے مقام تک پہنچا دیں۔ یقیناً اللہ اُن کے درمیان اُس کا فیصلہ کرے گا جس میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے۔ اللہ ہرگز اُسے ہدایت نہیں دیتا جو جھوٹا (اور) سخت ناشکرا ہو۔

حدیث النبی ﷺ: عن ابن مسعود رضی الله عنه قال ان النبی ﷺ قال ثلاث هن اصل كل خطيئة فاتقوهن واحذروهن. اياكم والكبر فان ابليس حمله الكبر على أن لا يسجد لآدم. واياكم والحرص فان آدم حمله الحرص على ان أكل من الشجرة. واياكم والحسد فان بنى آدم انما قتل احدهما صاحبه حسداً. (مسلم كتاب البر والصلة)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تین امور یا تین چیزیں وہ ہیں جو تمام گناہوں کی جڑ ہیں۔ پس ان تینوں سے بچو اور ان تینوں سے ہوشیار رہو۔ دیکھو تکبر سے بچو کیونکہ ابلیس کو تکبر ہی نے اس بات پر انگیخت کیا کہ اس نے حضرت آدم علیہ السلام کی فرمانبرداری سے انکار کر دیا۔ اور حرص سے بچو کیونکہ یہ حرص اور لالچ ہی تھا جس نے آدم علیہ السلام کو درخت ممنوعہ کا پھل کھانے پر اکسایا۔ اور حسد سے بچو کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں میں سے ایک کو حسد نے ہی اس بات پر آمادہ کیا کہ اس نے اپنے ساتھی کو قتل کر دیا۔

مشعل راہ: یقیناً اللہ تعالیٰ کے راستے میں مالی قربانیوں سے دریغ اور دعوۃ الی اللہ کے لئے وقت کی قربانی دینے میں کوتاہی کی وجہ بھی مال کی حرص ہی ہوتی ہے کہ انسان کی ضروریات ختم ہونے میں نہیں آتیں اور دنیاوی عیش و آرام کے حصول کے لئے رات دن کوشاں رہتا ہے۔ اور پھر جب یہ حرص بڑھتی ہے تو پھر ایسا انسان اس بات کی پرواہ نہیں کرتا کہ یہ مال حلال طریق سے آ رہا ہے یا حرام اور ناجائز طریق سے حاصل کیا جا رہا ہے۔ اور اس طرح یہ مال کی حرص انسان کو گناہوں پر مجبور کر دیتی ہے۔ تبھی تو آنحضرت ﷺ ایک اور حدیث میں فرماتے ہیں:

"دو بھوکے بھیڑئے جن کو بھیڑ بکریوں کے ریوڑ میں چھوڑ دیا جائے اتنا خرابی اور فساد کا باعث نہیں بنتے جتنا ایک شخص کا مال کا حرص کرنا اور اپنے آپ کو بڑا سمجھنا۔ اس کے دین کی خرابی اور فساد کا موجب ہے۔" (مشکوٰۃ کتاب الرقاق۔ مرسلہ ناثمرین۔ لندن)

اداریہ

غدار وطن اور بھارتی ایجنٹ!!

سابق وزیر اعظم نواز شریف نے آل پارٹیز کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے وہ کچھ کہہ دیا جسے انہیں وزیر اعظم ہوتے ہوئے قوم کو بتا کر استعفیٰ دینا چاہیے تھا۔ اگر یہ سب کچھ تب کہتے تو شاید قوم کے ہیرو بن جاتے، مگر اب سچ بول کر وہ غدار وطن اور بھارتی ایجنٹ قرار دے دیئے گئے ہیں۔ یہ نہایت بدقسمتی کی بات ہے کہ سچائی کا سامنا کرنا ہماری قوم کے مزاج کے خلاف ہو چکا ہے، بجائے اس کے کہ تاریخی غلطیوں کو تسلیم کیا جائے اور مثبت بحث و مباحثہ کے بعد اتفاق رائے سے ان غلطیوں کو درست کیا جائے، الٹا غلطیوں کی نشاندہی کرنے والے کو غدار وطن اور بھارتی ایجنٹ قرار دے کر اسے ذلیل ورسوا کیا جاتا ہے۔ پاکستان میں غدار وطن یا کافر بنانے کا رواج پاکستان بننے کے ساتھ ہی شروع ہو گیا تھا، فاطمہ جناح کو بھارتی ایجنٹ قرار دیا گیا تھا اور اس کے بعد شاید ہی کوئی وزیر اعظم ہوگا جسے غدار وطن نہ کہا گیا ہو۔ اس وقت بھی جتنے بھی بڑے بڑے سیاستدان ہیں سبھی ایک دوسرے کو بھارتی ایجنٹ، غدار اور کافر کہہ چکے ہیں اور عمران خان کو تو یہودی ایجنٹ تک کہا گیا ہے۔ فیض احمد فیض، جی ایم سید، ولی خان، اکبر بگٹی، جنرل ایوب خان، جنرل یحیٰی خان، جنرل ضیاء الحق، جنرل پرویز مشرف، بھٹو اور ہزاروں، لاکھوں یا شاید کروڑوں پاکستانی غدار وطن اور کافر قرار دیے جا چکے ہیں۔

جس طرح وطن عزیز کی بربادی ورسوائی کے ذمہ دار مذہبی لیڈر اور سیاستدان ہیں اسی طرح جرنیلی ٹولہ بھی اتنا ہی بلکہ اس سے کہیں زیادہ ذمہ دار ہے۔ کیا نواز شریف کی یہ بات درست نہیں کہ جونہی سیاسی حکومت برسر اقتدار آتی ہے ایک اور متوازی حکومت بھی قائم ہو جاتی ہے، جو سیاستدانوں کو بلیک میل کرتی ہے، دھمکیاں دیتی ہے اور بعض امور سے سیاستدانوں کو بے خبر رکھتی ہے۔ نواز شریف نے عدلیہ پر بھی شدید تنقید کی کہ عدلیہ بھی آئین کے خلاف فیصلے کرتی ہے، کسی بھی آمر کو ایک گھنٹے کے لیے بھی جیل میں نہیں ڈال سکی ہے۔ جنرل پرویز مشرف اور جنرل عاصم کی کہانی سبھی جانتے ہیں۔ ملا، ملٹری گٹھ جوڑ نے بھی بے شمار گل کھلائے ہیں۔ ملا، ملٹری گٹھ جوڑ پاکستان کو بار بار فسادات کی آگ میں جھونکتا رہا ہے۔ جنرل ضیاء نے تو ملا کو ریاست کے کندھوں پر بٹھا دیا تھا۔ اسی جنرل نے بھٹو کی حکومت گرانے کے لیے قومی اتحاد کا ساتھ دیا اور رقم دے کر بھٹو جیسی آفت کے لیے اذانیں دلوائیں۔ اور پھر بھٹو نا صرف اقتدار سے محروم کر دیے گئے بلکہ اس دنیا سے اگلے جہان بھیج دیے گئے۔ جنرل ضیاء الحق کے سیاسی فرزند نواز شریف تین بار وزیر اعظم بنے، ان کو ۱۵ برس کے لیے منتخب کیا گیا مگر انہیں ۷ برس ہی برداشت کیا گیا۔ ایک جرنیل نے انہیں اقتدار دلایا اور دوسرے جرنیل نے انہیں جلاوطن کر دیا اور دوبارہ اسے سیاسی طور پر زندہ بھی کر دیا۔ اور اب سچ بولنے پر طاقتور ادارہ سیاسی، صحافتی جوکروں کے ساتھ مل کر انہیں غدار وطن قرار دے کر اپنے دامن پر لگے سیاہ دھبے صاف کرنے کی ناکام کوشش میں مصروف ہے۔ اس سے پہلے ایم کیو ایم کے بڑے لیڈر الطاف حسین کو غدار وطن کا میڈل دیا جا چکا ہے، اور ان کی پارٹی کئی حصوں میں تقسیم کی جا چکی ہے۔ الطاف حسین کو لیڈر بنانے والے کون تھے سبھی جانتے ہیں اور انہیں کس کو لانے کے لیے غدار وطن قرار دیا تھا۔ بے نظیر جیسی زیرک سیاستدان کو تیسری بار وزیر اعظم بننے سے پہلے کس نے اور کیوں قتل کروایا، یہ بھی ایک بھید ہے جو آج نہیں تو کل ضرور کھلے گا۔ اور زرداری کو صدر کیوں اور کس نے بنایا؟ مشرف کو ایوان صدر سے باعزت طریق پر بینڈ باجے کے ساتھ کس نے رخصت کیا۔ یہ سوال بھی گردش کرتا رہے گا۔ اور مشرف جنہیں یعنی نواز شریف اور بے نظیر کو پاکستان کے لیے رسک قرار دیتے تھے، انہیں کس کے اشارہ پر واپس لا کر انہیں محبّ وطن ثابت کیا۔ اور چیف جسٹس چوہدری افتخار نے کس کے اشارے پر وکلا تحریک چلا کر مشرف کو گھر بھیجا تھا؟

سقوط ڈھاکا کا ذمہ دار کون ہے؟ جب سقوط ڈھاکہ ہوا اس وقت ایک جرنیل پاکستان کے سیاہ وسفید کا مالک تھا، جی وہی جنرل یحیٰی جسے جنرل اختر ملک

کی جگہ چھمب سیکٹر میں بھیج کر فتح ہوتے ہوئے کشمیر کو ذلت میں بدلنے کے لیے جنرل ایوب خان نے بھیجا تھا۔حمود الرحمان رپورٹ اور ’’میں نے ڈھاکہ ڈوبتے دیکھا‘ صدیق سالک کی کتاب اور دوسرے بہت سے ذمہ دار لکھاریوں نے ثابت کیا ہے کہ اس بدترین شکست کا باعث جرنیلی ٹولہ تھا۔تاریخ کا طالب علم ہمیشہ سے سوال کرتا رہے گا کہ ۷ دسمبر ۱۹۷۰ء کو جنرل یحییٰ خان حکومت نے عام انتخابات کا انعقاد کیا تھا۔شیخ مجیب الرحمان کی پارٹی عوامی لیگ نے ۱۶۰ قومی اسمبلی کی سیٹیں حاصل کیں اور ذوالفقار علی بھٹو کی پارٹی پاکستان پیپلز پارٹی نے ۸۱ نشستیں جیتیں تھیں۔۔شیخ مجیب الرحمان نے قومی اسمبلی کا اجلاس بلانے کا مطالبہ کیا جس پر جنرل یحییٰ خان نے اجلاس بلانے سے گریز کیوں کیا تھا؟ تاریخ غلط فیصلوں اور اچھے فیصلوں کو اپنے سینے میں مستقبل میں پیدا ہونے والی نسلوں کے مستفید ہونے کے لیے، محفوظ رکھتی ہے۔بد قسمتی کی بات یہ ہے کہ ہماری قوم نے اپنی سیاہ ترین تاریخ سے کوسبق نہیں سیکھا، ہماری قوم کے لچھن قطعاً قابل تعریف نہیں ہیں۔کاش سیاستدان، جرنیل اور دانشور سر جوڑ کر بیٹھیں اور وہ غلطیاں تلاش کریں اور ان کی اصلاح کی طرف دل و جان سے متوجہ ہوں۔ہم نہیں سمجھتے کہ ہماری واپسی ناممکن ہے، صرف مخلصی کی ضرورت ہے۔قوانین صرف بنا دینا کوئی وقعت نہیں رکھتا عمل درآمد ہی اصل کام ہے۔پاکستان میں ہر طرح کے قوانین موجود ہیں مگر عمل درآمد صفر کے قریب ہے۔ارباب اختیار سیاسی، مذہبی اور لسانی لڑائیوں کو چھوڑ کر انسانیت کی بھلائی کے لیے دل و جان سے کام کریں۔مذہبی اور لسانی کارڈ کھیلنا اچھائی تو نہیں لاسکتا، ہاں ملک کو مزید ٹکڑوں میں اللہ نہ کرے تقسیم کر سکتا ہے۔مذہبی نفرت پھیلانے میں مولوی، جرنیل اور سیاستدان سرفہرست ہیں۔اس کا ایک ہی حل ہے کہ آئین کو ایسا بنایا جائے کہ مذہب کو ریاستی امور سے الگ کر دیا جائے، تمام شہری بلا امتیاز مذہب، عقیدہ، رنگ،نسل، برادری برابر ہوں۔

معزز قارئین! اللہ غفور الرحیم ہماری قوم کو عقل سلیم عطا فرمائے اور وہ راستہ دکھائے جس پر چل کر دین و دنیا کی حسنات حاصل کر سکے۔آمین۔

درد مندوں سے یہ کہہ دو کہ با آئین نیاز دل کو ذوق کرم یار سے بیگانہ کریں
اپنی ہستی کی فقط اتنی ہے روداد اثر جیسے منسوب حقیقت سے اک افسانہ کریں

توجہ فرمائیں

پیشوا ادارہ کا کسی بھی سیاسی جماعت سے تعلق نہیں ہے۔پیشوا ادارہ تمام سیاسی و مذہبی شخصیات کا تہہ دل سے احترام کرتا ہے مگر ان کے غلط نظریات اور افکار کو بیان کرنے کی قارئین کو اس غرض سے اجازت دیتا ہے تاکہ متذکرہ شخصیات اپنی اصلاح کر سکیں۔اگر کوئی شخص سمجھے کہ اسے غلط طور پر تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے تو وہ بھی حق رکھتا ہے کہ وہ بھی ناقدین کی اصلاح کے لئے اپنا موقف پیش کرے اور ادارہ ایسے مضامین کو شائع کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے۔ادارہ پیشوا بلاتفریق مذہب وملّت خدمت کا دعوے دار ہے۔سبھی رسالہ میں اپنے افکار اور خیالات کا اظہار کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ادارہ پیشوا اُن تمام قلمکاروں کو دعوت دیتا ہے جو سمجھتے ہیں کہ وہ لکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ادارہ اپنے قارئین کی آراء اور مشوروں کا منتظر ہے۔معزز قارئین کی تجاویز کا خیر مقدم کیا جائے گا اور قارئین کی آراء پر نا صرف غور کیا جائے گا بلکہ قابل عمل تجاویز پر عمل بھی کیا جائے گا۔انشاءاللہ۔

(چیف ایڈیٹر پیشوا انٹرنیشنل۔لندن)

دنیا کی تاریخ کا ایک انوکھا واقعہ!

روزنامہ نیا دور نامی ایک اخبار میں ۲۹ جولائی ۲۰۲۰ کو ایک خبر با تبصرہ شائع ہوئی تھی۔ قارئین کی خدمت میں غور وفکر کے لیے یہ با تبصرہ خبر پیش کی جارہی ہے۔

27 جولائی 2020 کو پنجاب حکومت کے محکمہ داخلہ کو لکھے گئے ایک خط میں لاہور ہائی کورٹ بار اسوسی ایشن کی جانب سے گذارش کی گئی ہے کہ آئین کے آرٹیکل 260(3)(b) کے مطابق احمدی غیر مسلم ہیں جب کہ قربانی سنتِ ابراہیمیؑ اور سنتِ محمدیؐ ہے جو کہ خاتم النبیینؐ ہیں لہٰذا قربانی کی رسم انہی شعائرِ اسلامی میں آتی ہے جن کو اپنانے کا آئین کے تحت احمدیوں کو حق نہیں ہے کیونکہ مسلمان گذشتہ 1400 سال سے یہ تہوار مناتے آرہے ہیں اور احمدیوں کو آئین کے تحت پابند کیا گیا ہے کہ وہ کوئی بھی شعائرِ اسلامی اپنا نہیں سکتے۔

اس خط میں استدعا کی گئی ہے کہ ہر سال عیدالاضحیٰ کہ موقع پر بہت سے ایسے واقعات رونما ہوتے ہیں اور ایف آئی آرز بھی درج کی جاتی ہیں کہ احمدیوں کی جانب سے سرِ عام آئین پاکستان کی شقوں 298 بی اور 298 سی کی خلاف ورزی کی جاتی ہے، تعزیراتِ پاکستان کی خلاف ورزی کی جاتی ہے اور سپریم کورٹ کے بنائے اس قانون کی خلاف ورزی کی جاتی ہے جس کے مطابق ایسے تمام گروہوں کو آئین ہاتھ میں لینے سے روکنے کے لئے پوری طاقت کا استعمال کرنا لازمی ہے۔

لہٰذا آپ سے درخواست کی جاتی ہے کہ ملک بھر میں تمام پولیس افسران کو حکم جاری کریں کہ ایسے اقدامات کیے جائیں جو احمدیوں کی جانب سے قربانی جیسے شعائرِ اسلام کو اپنانے سے روکیں اور اس میں واضح طور پر تنبیہ کی جائے کہ اس حکم کی عملداری یقینی بنانے میں کسی بھی قسم کی لغزش کی صورت میں متعلقہ حکام کے خلاف کارروائی کی جائے گی۔ پاکستان کے 1973 کے آئین میں ابتداً ایسی کوئی شقیں شامل نہیں تھیں جن کے مطابق کسی بھی مذہبی سوچ کے حامل شخص کو غیر مسلم قرار دیا جا سکے۔ اس حوالے سے 1953 میں ہونے والے لاہور فسادات کے بعد جسٹس منیر کی سربراہی میں بننے والے کمیشن نے جب ملک کے کئی جید علما کو بلا کر ان سے اسلام کی تعریف پوچھی تو ہر ایک کا جواب مختلف تھا جب کہ ان تمام مولوی حضرات کے مطابق مخالف فرقے سے تعلق رکھنے والے تمام افراد غیر مسلم ہیں۔

لیکن پھر 1974 میں ذوالفقار علی بھٹو حکومت نے یہ معاملہ پارلیمنٹ میں لانے کا فیصلہ کیا اور ایک طویل مباحثے کے بعد احمدیوں کو غیر مسلم قرار دے دیا گیا۔ یہ دنیا کی تاریخ کا ایک انوکھا واقعہ تھا کہ ایک ملک کے آئین میں اسی ملک کے شہریوں کی تکفیر کی گئی ہو۔ اس کے بعد جنرل ضیا نے آکر اس قانون کو مزید سخت بنا دیا جس کے مطابق شعائرِ اسلام پر احمدیوں کا عمل کرنا جرم ہے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ ان کی خواہش ہے کہ عیدالاضحیٰ کے روز کوئی احمدی گوشت تک نہ کھائے کیونکہ اگر اس روز اس نے گائے گرائی تو یہ قربانی کے زمرے میں آجائے گا، جو کہ بقول وکلا صاحبان شعائرِ اسلام میں آجائے گا اور اس لحاظ سے آئین کی خلاف ورزی سمجھا جائے گا۔ لیکن دوسری جانب اٹھارھویں ترمیم میں ترمیم کرنے کو کوئی برا نہیں سمجھتا۔ اس کے خلاف تو ہر قسم کی بات کی جا سکتی ہے تو پھر دوسری آئینی ترمیم کیوں آئین کا بنیادی جز مان لی گئی ہے؟

سوال تو یہاں یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ اگر احمدی قربانی نہیں کر سکتے تو پھر کیا کل کو آپ کہیں گے کہ وہ گائے ذبح بھی نہیں کر سکتے کیونکہ ذبح تو مسلمان کر کے کھاتے ہیں؟ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس ملک میں خود کو ایک اچھا انسان ثابت کرنے کے لئے احمدیوں کو نشانہ بنانا ایک عام رواج بن چکا ہے۔ جو لوگ لاہور کے حفیظ سنٹر میں بیٹھ کر 250 روپے کی چیز 1500 میں بیچنے کی کوششوں میں لگے ہیں، وہ بھی باہر لکھ کر لگاتے ہیں کہ یہاں احمدی کا داخلہ منع ہے۔ وہ بھی قربانی کریں گے۔ ایک مولانا صاحب شراب پی کر سڑک پر بیٹھے تھے کہ کسی نے ویڈیو بنا لی۔ لیکن جب ٹوئٹر پر لوگوں نے سوال اٹھایا تو ہر سوال کرنے والے پر احمدی ہونے کا الزام لگانے لگے۔ سب چپ ہو کر بیٹھ گئے۔ وہ بھی قربانی کریں گے۔ وکلا گردی اب باقاعدہ اس ملک کی سیاسی لغت کا حصہ ہے۔ فیسیں بڑھوانے کے لئے جان بوجھ کر مقدمہ لمبا کرنے اور اگلی پیشیاں ڈلوانے والے وکلا فیس زیادہ ہو بھی اس لاہور ہائی کورٹ بار اسوسی ایشن کا حصہ ہیں جس کے نمائندوں نے خود کو آئندہ ہونے والے وکلا بار کے انتخابات کے لئے خود کو نیک اور سچا مسلمان بنا کر پیش کرنے کی خاطر لوگوں کے مذہبی جذبات کو اپنے سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کرنے کی کوشش کی ہے، وہ بھی قربانی کریں گے۔ کیا ان کے نزدیک شعائرِ اسلام پر عمل کرنا محض یہی ہے کہ احمدیوں کو ان شعائر پر عمل کرنے سے کسی طرح روکا جائے؟ (بشکریہ۔ روزنامہ نیا دور)

ایک ماں! بچوں کے سامنے لُٹ گئی!!

(تحریر: رانا محمد حسن خاں۔لندن)

ویسے تو روزانہ ہی ایسے واقعات کی اخبارات میں بھرمار ہوتی ہے جو بے حد ذہنی اذیت پہنچانے والے اور غلیظ ترین معاشرے کے عکاس ہوتے ہیں مگر موٹروے پر ایک خاتون جو دو بچوں کی ماں تھی سے اجتمائی زیادتی نے بے حد صدمہ سے ہی دوچار نہیں کیا بلکہ سارے نظام سے نفرت بھی پیدا کر دی۔ایسا لگ رہا ہے جیسے وطن عزیز میں درندے گھروں، محلوں، شہروں، صوبوں، مسجدوں اسکولوں، مدرسوں، کالجوں، سبھی اداروں میں باعصمت خواتین، معصوم کم سن لڑکے، لڑکیوں کو چیر پھاڑنے کے لیے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔اور شہریوں کی حفاظت کرنے والے نام نہاد محافظ بھی شکاری کتوں سے کم نہیں، یہ شکاری کتے خود بھی درندگی کا مظاہرہ کرنے میں کسی سے پیچھے نہیں ہیں اس لیے یہ درندوں سے بھی بدتر ہیں کیونکہ یہ درندوں کے سامنے ڈھال بن کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ان سے بھی زیادہ ذلیل ترین درندے وہ عدالتی اہل کار ہیں جو عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانے کے بھی پیسے لیتے ہیں اور عدالتی نظام اور انصاف مہیا کرنے والے جج صاحبان کے کام، اوقات اور فیصلوں کے متعلق سبھی جانتے ہیں۔عدالتی اہل کاروں کی درندگی کے متعلق منصور آفاق صاحب کہتے ہیں کہ یہ شاید پچھلے برس کی بات ہے میں ایک آئی جی کے دفتر میں گیا جہاں ایس ایچ اوز کے ساتھ ان کی میٹنگ اسی وقت ختم ہوئی تھی، ابھی وہ میٹنگ روم میں موجود تھے، آئی جی صاحب چونکہ میرے دوست تھے انہوں نے مجھے دیکھتے ہی کہا۔آؤ آؤ، روز قانون کی علمبرداری قائم کرنے کے مشورے دیتے ہو، کرپشن ختم کرنے کے طریقے بتاتے ہو۔

ان پولیس افسران کے اس سوال کا جواب تو دو۔سوال یہ تھا کہ تھانے سے جب کوئی مقدمہ عدالت جاتا ہے تو عدالت کے اہلکار اس وقت تک کیس نہیں لیتے جب تک ایک کیس کے ساتھ کم از کم پانچ ہزار روپے نہ دیئے جائیں۔ایک تھانے سے اگر ایک مہینے میں صرف ایک سو کیس بھی عدالت میں جائیں تو اس تھانے کو پانچ لاکھ روپے رشوت دینا پڑتی ہے، یہ پانچ لاکھ کہاں سے آئیں۔عدالتی اہلکاروں کو رشوت لینے سے کیسے روکیں۔سوال اتنا خوفناک تھا کہ میں اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔

ہمیں سمجھ نہیں آتی کہ معاشرہ جسے پاکستانی اسلامی معاشرہ کہا جاتا ہے کیونکر اس نہج پر پہنچ گیا ہے کہ وہ حیا اور شرافت کی تمام حدوں کو عبور کر گیا ہے۔کہیں تو ضرور غلطی ہوئی ہے۔ذرا سوچیئے تو سہی کبھی اس معاشرہ میں گاؤں کی بیٹی سب گاؤں والوں کی بھی بیٹی اور عزت ہوتی تھی، اسی طرح شہروں میں محلّہ کی بیٹی بھی سبھی محلّہ داروں کی بھی بیٹی اور عزت ہوتی تھی اور اچھی بات یہ تھی کہ سبھی ایسا بلاتفریق مذہب وملت، عقیدہ کرتے تھے۔اور آج حالت یہ ہے کہ ایک عینی گواہ سارا واقع دیکھتا ہے اور سامنے آ کر قوم کی بیٹی کو بچانے کی کوشش تک نہیں کرتا۔بچوں سے زیادتی کرنے والوں میں مولوی، استاد، پڑوسی اور رشتے دار ہی زیادہ تر ہوتے ہیں۔

ایک طرف وطن عزیز کو پاک کرنے کے لیے خواجہ سراؤں اور اقلیتوں کو قتل کیا جا رہا ہے تو دوسری طرف یہ وطن عزیز کو اسلامی اور پاکیزگی کی چادر پہنانے والے خواتین اور بچوں ہی سے زیادتی کے مرتکب نہیں ہوتے بلکہ جانوروں تک کو نہیں چھوڑتے۔علاوہ ازیں اپنے والدین کی جان لینے جیسی رزیل حرکت بھی کرتے ہیں۔گزشتہ چند دنوں میں دو باپوں اور دو ماؤں کو قتل کر دیا گیا ان میں اپنی ماں کو اپنے آشنا سے مل کر قتل کرنے والی اس کی اپنی بیٹی بھی تھی۔اور ایک یہ خبر بھی تھی کہ سگے بیٹے نے اپنی والدہ کو سرعام نیچے گرا کر تھپڑ مارے۔گزشتہ دس برس میں ساٹھ سے زیادہ باپ اپنے بچوں کے ہاتھوں قتل ہو چکے ہیں اور ۶۵ خواجہ سرا قتل کیے گئے ہیں۔

بے حسی کی انتہا ہے کہ قانون نافذ کرنے والے ادارے ہر درندگی کے واقع کے بعد تب جاگتے ہیں جب کسی مظلوم کی چیخیں مردہ سول سوسائٹی کو جگاتی ہیں

اورسول سوسائٹی نیند میں خلل واقع ہونے پر احتجاج کرتی دکھائی دیتی ہے جس پر چند روز کے لیے قانون نافذ کرنے والے ادارے متحرک ہو جاتے ہیں اور مظلوم کی تسلی کے لیےاورسول سوسائٹی کو مطمئن کرنے کے لیے مجرم پکڑ بھی لیے جاتے ہیں اور پھر سب بھول جاتے ہیں اور میٹھی نیند کے مزے لیتے ہیں۔

موٹروے پر ہونے والے اجتماعی زیادتی کے واقع میں ملوث مجرم ستائیس سالہ عابد اشتہاری مجرم ہے ۲۰۱۸ء میں اس درندے نے ایک ڈکیتی کے دوران ماں اور اس کی بیٹی کے ساتھ جنسی زیادتی کی تھی اور یہ درندہ قانون نافذ کرنے والوں کی غفلت کے باعث آزاد گھوم رہا تھا اور اب ۷۲ گھنٹوں میں پولیس اس کے گھر تک پہنچ گئی ہے۔اور جب کبھی پولیس مجرم کو عدالت کے دروازے پر رشوت دے کر منصفوں کے حوالے کر دیتی ہے تو منصفوں کی ڈرامے بازیاں اور ہڈ حرامیاں شروع ہو جاتی ہیں،اور عدالتوں میں ضمیر بکتے ہیں،وکیل بکتے ہیں،گواہ بکتے ہیں اور منصف بھی بکتے ہیں۔یہ سب ایسا ہی ہوتا ہے جیسے نائیکہ کے کوٹھے پر دلال بھاؤ تاؤ کرتے ہیں۔اور مظلوم اس بھاؤ تاؤ کے بوجھ تلے کراہتے کراہتے مر جاتا ہے یا نیم مردہ جیتا رہتا ہے۔

آیئے دیکھتے ہیں کہ بدھ کی رات کو دو بچوں کے سامنے ان کی والدہ کی اجتماعی عصمت دری کے واقع کے نفسیاتی اثرات کس طرح کے بھیانک نتائج پیدا کرتے ہیں۔بچوں کی ساری زندگی متاثر ہو جاتی ہے ان کے ذہن ساری عمر اس واقع کی وجہ سے ڈسٹرب رہتے ہیں،عملی زندگی بھی انتشار کا شکار رہتی ہے۔احساس کمتری اور معصوم ہونے کے باوجود شرمندگی کا احساس رہتا ہے، بدقسمتی سے پاکستانی معاشرہ اس قابل قطعاً نہیں ہے کہ ان معصوموں کو زندہ دلی سے گلے لگا کر ان کو ان کی سوچ بہتر کرنے میں مددگار ثابت ہو سکے۔اور خواتین تو گویا رشتہ داروں اور معاشرہ کے لیے کوئی اور ہی مخلوق بن جاتی ہیں، جنسی زیادتی کا نشانہ بننے والی خواتین سو فیصد معصوم اور بے گناہ ہونے کے باوجود رشتہ داروں اور معاشرے سے نظر چرانے پر خود کو مجبور پاتی ہیں۔

کاش خواتین اور بچوں سے زیادتی کرنے والے مجرموں کو بلا تاخیر عبرت ناک سزا دے دی جائے تاکہ خواتین اور بچوں کو ان درندوں سے محفوظ رکھا جا سکے۔اور اہم بات یہ ہے کہ ہر بچے کو اسکول بھیجنے کا بندوبست کیا جائے،اور ابتدا سے ہی بچوں کو اعلیٰ اخلاق کے زیور سے آراستہ کیا جائے۔اسی طرح والدین اپنے بچوں کو ان کے بچپن ہی میں خواتین کا احترام کرنا سکھائیں۔

معزز قارئین!یہ نہایت بدقسمتی کی بات ہے کہ اس وقت جس جگہ وطن عزیز کھڑا ہے وہ نہایت خوفناک مقام ہے،اور اس خوفناک مقام تک لانے والے سیاسی،مذہبی،فوجی لیڈران اور انصاف فراہم کرنے کے ذمہ دار بے ایمان و بے ضمیر منصف ہیں اور وہ اشرافیہ بھی ذمہ دار ہے جو ان بے ضمیروں سے فوائد تو حاصل کرتی ہے مگر ان کے خلاف ایک قدم بھی نہیں بڑھاتی۔اور سچ یہی ہے کہ جب تک اشرافیہ نہیں جاگے گی اور ان بے ضمیروں سے ناطہ نہیں توڑے گی،خواتین اور بچوں کی عصمتیں لٹتی رہیں گی۔اللہ رحم فرمائے۔آمین

”میری دُنیا بھی تو آباد نہیں ہو پائی“

جان چاہا بھی تو برباد نہیں ہو پائی
رُوح اس پنجرے سے آزاد نہیں ہو پائی

تیری دُنیا تو بہرطور اذیت تھی مجھے
میری دُنیا بھی تو آباد نہیں ہو پائی

اک کمی میری ہوئی پوری ترے جانے سے
اِک کمی پوری ترے بعد نہیں ہو پائی

یا تو سب جھوٹ ہے کوئی نہیں سننے والا
یا تو ہم سے کوئی فریاد نہیں ہو پائی

کچھ تو کشتی میں انا ناچ رہی تھی ساجدؔ
اور کچھ اس سے بھی امداد نہیں ہو پائی

ساجد محمود رانا

”عوام، مسلمان سول اور فوجی افسر شاہی کے خواب“

جب پاکستان بنا تو اس میں رہنے والے ایک عام انسان کے خواب یہ تھے کہ اس میں ایک فلاحی ریاست کی تمام خوبیاں موجود ہوں گی، صحت اور تعلیم کی سہولتیں مفت اور اعلیٰ درجے کی ہوں گی، فراہمی اور نکاسی آب کا بھرپور انتظام ہوگا، توانائی کے ذرائع مہیا کیے جائیں گے، سڑکوں کے جال بچھائے جائیں گے، لوگ اپنے گلی محلوں اور اپنے گھروں میں محفوظ ہوں گے، طرز حکمرانی منصفانہ ہوگا اور انصاف کی فراہمی ہر ایک کو ہوگی۔

اگر عام آدمی کے یہ خواب تھے تو دیگر طبقات کے خواب خاصے مختلف تھے۔ مثلاً اس خطے میں رہنے والے زمین داروں اور جاگیر داروں کے خواب یہ تھے کہ کسی قسم کی زرعی اصلاحات نہ ہوں اور اگر ہوں بھی تو انہیں ناکام بنادیا جائے، کیوں کہ متحدہ ہندوستان میں کانگریس اعلان کر چکی تھی کہ فوری زرعی اصلاحات نافذ کی جائیں گی، یعنی بڑے بڑے زمین داروں اور جاگیر داروں سے ان کی زمینیں چھین کر تقسیم کی جائیں گی اور زیادہ سے زیادہ زمین رکھنے پر حکومتی پابندی ہوگی۔ اسی طرح نوزائیدہ پاکستان میں رہنے والے اور آنے والے زیادہ سرمایہ داروں کے خواب یہ تھے کہ انہیں بھارت کے زیادہ تر غیر مسلم سرمایہ داروں سے مقابلہ نہیں کرنا پڑے گا، پاکستان کی معیشت اور صنعت اب مسلمان سرمایہ داروں اور صنعت کاروں کی مرہون منت ہوں گی، جس میں وہ بلاشرکت سرمایہ کاری کریں گے اور خوب منافع کمائیں گے۔

اُس وقت کی مسلمان سول اور فوجی افسر شاہی کے خواب یہ تھے کہ اب انہیں سرکاری عہدوں کے لیے غیر مسلموں سے مقابلہ نہیں کرنا پڑے گا، وہ اعلیٰ ترین عہدوں پر بڑی آسانی سے پہنچ جایا کریں گے اور ایسا ہوا بھی۔ مثلاً جنرل ایوب خان کبھی بھی متحدہ ہندوستان میں آرمی چیف نہیں بن سکتے تھے اور نہ خود کو فیلڈ مارشل کا عہدے دے پاتے اور شاید نہ ہی خود کو ملک کا صدر بنا سکتے تھے۔ یہ سب اسی لیے ممکن ہوا کہ یہاں سول اور فوجی افسر شاہی نے اپنے ان سب خوابوں کی تعبیر حاصل کی، جو شاید وہ متحدہ ہندوستان میں بھی حاصل نہ کر پاسکتے۔

اسی طرح مذہبی رہنماؤں کے یہ خواب تھے کہ وہ پاکستان میں ایک تھیوکریسی یا ملائیت کا راج لے آئیں گے، جہاں پر ان کے مذہب اور فرقے کو مکمل بالادستی ہوگی اور معاشرے کے ہر شعبے میں فرقہ واریت کو گھسا کر لوگوں کی عام زندگی کو بھی فرقوں کے تابع کردیا جائے گا۔ اسی طرح سیاست دانوں کے یہ خواب تھے کہ سیاست پر غیر مسلم مخالفین کا سامنا نہ کرنا پڑے، خاص طور پر جو پہلی دستور ساز اسمبلی وجود میں آئی تھی، اس کی کوشش یہ تھی کہ دستور ہی نہ بن پائے، کیوں کہ نیا آئین بننے کے بعد پہلی دستور ساز اسمبلی کو خود تحلیل ہوجانا تھا اور اسمبلی کے اکثر ارکان کو خطرہ تھا کہ نئے دستور کے تحت نئے انتخاب میں شاید وہ جیت نہیں پائیں گے، اس لیے آئین سازی کا عمل طویل سے طویل تر کیا جاتا رہا۔ اس سارے عمل میں جو عام آدمی کے خواب تھے، وہ پورے نہ ہوسکے، البتہ باقی سب نے اپنے اپنے خوابوں کی تعبیر بڑی حد تک حاصل کرلی۔ عوام کو صحت اور تعلیم کی سہولتیں تو نہ مل سکیں، لیکن جاگیر دار اور زمین دار بدستور اپنی جاگیروں پر قائم رہے۔ فراہمی اور نکاسی آب کی سہولتیں تو پسماندہ رہیں، لیکن سرمایہ دار قرضے لے کر خوب کھاتے اور اپنی صنعتوں کا فضلہ آبی وسائل میں ڈال کر عوام کے لیے مزید مشکلات پیدا کرتے رہے۔

(بشکریہ روزنامہ حکمت۔ ۱۵ اگست ۲۰۱۷ء)

قارئین! آج ۷۲ برس بعد بھی حالات جوں کے توں ہیں، قائداعظم کے افکار بیان تو کیے جاتے ہیں مگر مسلمان سول اور فوجی افسر شاہی اپنے خوابوں کی راہ میں حائل ہر قسم کی رکاوٹوں کو دور کرنے کی ماہر ہوچکی ہے۔ عام آدمی کے خواب تو کب کے بکھر کر حسرت کا روپ دھار چکے ہیں، اسی حسرت و یاس کو آنکھوں میں سموئے، لوگ مر رہے ہیں۔

مشرقی اُفق

آل پارٹی کانفرنس: اپوزیشن کے فیصلے!!

میر افسر امان۔ اسلام آباد

اسلام آباد میں پیپلز پارٹی کی چیئرمین شپ میں سیاستدانوں کی آل پارٹی کانفرنس منعقد ہوئی۔ بلاول زرداری صاحب چیئرمین پیپلز پارٹی نے کمپیئرنگ کے فرائض ادا کیے۔ سب سے پہلے سابق صدر پاکستان اور پیپلز پارٹی کے مرکزی رہنما آصف علی زرداری صاحب نے آن ایئر صدارتی خطاب کیا۔ اس کے بعد نون لیگ کے سرپرست اور سابق وزیراعظم نواز شریف صاحب نے بظاہر سخت بیماری کے باوجود مگر ہشاش بشاش موڈ میں لندن سے آن ایئر خطاب کیا۔ تیسرے نمبر پر پارلیمنٹ میں لیڈر آف حزب اختلاف اور نون لیگ کے صدر شہباز شریف صاحب نے خطاب کیا۔ مولانا فضل الرحمان صاحب سربراہ جمعیت علمائے اسلام اور دیگر نے خطاب کیا۔ مرحلہ وار ملک گیر تحریک چلانے کا اعلان ہوا۔ جنوری میں فیصلہ کن لانگ مارچ کریں۔

مولانا فضل الرحمان نے اسمبلیوں سے استعفیٰ کا اپنا پرانا کمزور مطالبہ آل پارٹی کانفرنس کے سامنے رکھا۔ اس سے پہلے نواز شریف نے اپنی تقریر میں کہا کہ مولانا کی ہر بات کو مانا جائے گا۔ آل پارٹی کانفرنس کے فیصلوں سے ایک انچ پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ ٹی وی ٹاک شوز پر تبصرہ اور تجزیہ کار مولانا کی استعفیٰ والی بات کو مشکل کام کہہ رہے ہیں۔ جب ڈکٹیٹر مشرف کے وقت اسمبلیوں سے استعفیٰ دینے کی بات ہوئی تھی تو مولانا نے خیبر پختون خواہ کی اپنی صوبائی اسمبلی سے استعفیٰ دینے کی بات نہیں مانی تھی۔ اب مرکز اور سندھ حکومت سے استعفیٰ دینے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ اس وقت مولانا کی بات نہ ماننے کی وجہ سے تو متحدہ مجلس عمل میں اختلافات ہوئے اور پھر ہر کوئی علیحدہ ہو گیا تھا۔ مولانا ہر دور میں حکومتی پارٹیوں کے ساتھ شامل رہ کر اقتدار کے مزے لوٹتے رہے ہیں۔ پہلی دفعہ ایسا ہوا کہ وہ اقتدار میں نہیں۔ دوسروں کو بھی اقتدار میں دیکھنے کے بجائے استعفیٰ دینے پر زور دے رہے ہیں۔ سیاست دان اربوں خرچ کر کے قومی، سینیٹ اور صوبائی اسمبلیوں کے ممبر بنتے ہیں۔ مولانا کی بات کیسے مانیں گے؟۔ مذید یہ ہوا کہ مولانا کی آل پارٹی کانفرنس میں کی گئی تقریر کو بھی آن ایئر نہیں کیا گیا۔ مولانا نے پیپلز پارٹی سے شکایت کی کہ پہلے تو میڈیا میری تقریریں نشر نہیں کرتا، آپ نے بھی آل پارٹی کانفرنس کی میری تقریر آن ایئر نہیں کی۔ پیپلز پارٹی اور نون لیگ کے لیڈر مولانا کو مناتے رہے مگر لگتا ہے کہ وہ راضی نہیں ہوئے۔

وزیراعظم پاکستان عمران خان کو کابینہ کے لوگوں نے کہا کہ ہمیں پیمرا کو خط لکھنا چاہیے کہ ملک کی اعلیٰ عدالت سپریم کورٹ کی صرف سے سیاست میں تاحیات نااہل قرار دینے اور نیب کورٹ سے کرپشن میں سزا پانے والے شخص نواز شریف کی تقریر نشر نہ کرنے دے۔ قانون کے مطابق روک دے۔ عمران خان نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ اور کہا کہ نواز شریف ساری جھوٹی باتیں کریں گے۔ جسے عوام سن کر خود اس کے خلاف ردعمل دیں گے۔ عمران خان نے کہا کہ کرپٹ مافیا لوٹا ہوا مال بچانے کے لیے ایک بار جمع ہو گئے ہیں۔ واقعی ہی یہ عمران خان کا بالغ نظری کا فیصلہ تھا۔ نواز شریف نے پھر عدلیہ اور فوج خلاف پرانا بیانیہ ہی دُہرایا۔ پاکستان کی اعلیٰ عدلیہ سپریم کورٹ کی طرف سے آئین پاکستان کے شق نمبر ۶۲۔۶۳ پر پورا نہ اُترنے پر تاحیات سیاست سے نااہل قرار دینے اور نیب عدالت سے کرپشن پر قید کی سزا ملی تھی۔ جس میں جے آئی ٹی کی تحقیق نے کلی کھولی تھی۔ اس جے آئی ٹی میں فوج کے نمائندے شامل تھے۔ اسی وجہ سے پاکستان کے شہروں شہر، اپنی ریلیوں اور جلسوں میں ملک کی معزز عدلیہ اور ملک کی محافظ فوج کے خلاف عوام کو غیر قانونی طور پر اُکساتے رہے۔ نواز شریف کے اس بیانیہ کے بعد اب تک نواز شریف کے ووٹر نادانستہ طور یا جان بوجھ کر سوشل میڈیا میں عدلیہ اور فوج کے خلاف ناجائز طور پر پروپیگنڈا مہم شروع کی ہوئی ہے۔ اس پر پارلیمنٹ نے فوج کے خلاف ناجائز بیان بازی پر جرمانے اور قید کی قانون سازی کی ہے۔ کیا نواز شریف آل پارٹی کانفرنس میں پرانا بیانیہ دھرانے پر فوج اور عدلیہ سے کسی ریلیف کی توقع کر سکتے ہیں؟ بلکہ لگتا ہے کہ اب ملک کی معزز عدلیہ کے خلاف ناجائز بیان بازی پر بھی حکومت کو پارلیمنٹ بھی قانون سازی کرنے پڑے گی۔ سوشل میڈیا میں وائرل ویڈیو میں دکھایا گیا کہ عدلیہ کے جج سے ملاقات کر کے اسے رشوت کی پیش کش کر کے اپنے حق میں فیصلہ

پہلے توٹس دیا جاتا۔فوج اس کو اپنے سپہ سالار اور فوج کی بے عزتی سمجھتے ہوئے۔ نواز شریف کو اقتدار سے علیحدہ کرے تو فوج بُری ہوگئی۔ کیا پاکستانی فوج کے کسی سپہ سالار سے آپ کی انڈراسٹیڈنگ رہی؟ آپ فوج کو بھی پنجاب کی گلو بٹ جیسی پولیس بنانا چاہتے تھے۔فوج تو کبھی بھی ایسی نہیں بنے گی۔فوج ایک منظّم ادارہ ہے۔ حلف وفاداری کی خلاف کرتے ہوئے سیکورٹی کونسل کے فیصلہ کو لیک کیا۔ گرفت پھر اپنے وزیر کو باہر نکالا۔ ذرائع کہتے ہیں'' آپ ہی اپنی اداؤں پہ ذرا غور کریں ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی''۔ ذرائع یہ بھی کہتے ہیں کہ نواز شریف کے مطابق عمران خان کو فوج اقتدار میں لائی ہے۔اگر فوج نواز شریف کو تین مرتبہ انتخابات میں کامیاب کرائے تو ٹھیک اور اگر ایک دفعہ عمران خان کو جیتوا دے تو برداشت نہ کریں۔غدار وطن شیخ مجیب کی مثالیں نہ دیں۔ وہ بھارت کے ساتھ مل کر اگر تلہ سازش کا سرخنہ تھا۔آپ اپنی کرپشن کا جواب دیں اور فوج کے خلاف پروپیگنڈا کر کے بھارت کے ہاتھ مضبوط کر کے ملک کو نقصان نہ پہنچائیں۔ ویسے بھی بنگلہ دیش کی وفادار فوج نے شیخ مجیب کو سبق سکھا دیا تھا۔

جب عالمی میڈیا نے دوسرے افراد کے ساتھ ساتھ آپ کے خاندان کے نام بھی آف شور کمپنیوں میں شامل کیا تو آپ کے ہوش اُڑ گئے تھے۔ پہلے دو دفعہ میڈیا میں اپنے خاندان کی صفائی پیش کی۔ پھر پارلیمنٹ میں صفائی پیش کرتے ہو کہا کہ جنابِ اسپیکر یہ ہیں ہمارے آمدنی کے ثبوت ! جب عدالت نے ڈاکومنٹری ثبوت مانگا تو قطری شہزادے کا خط پیش کر دیا۔ پھر خط والا شہزادہ کورٹ میں گواہی دینے سے مکر گیا۔مریم صفدر اعوان صاحبہ نے کہا میری باہر کیا، پاکستان میں بھی کوئی جائیداد نہیں؟ میں تو اپنے والد کے گھر رہتی ہوں۔ پھر جائیداد کیسے نکل آئی۔ جائیداد کے جعلی کاغدات کی کیا کہانی ہے؟ نواز شریف نے کرپشن کو چھپانے کی آڑ میں پاکستان کی فوج اور اعلیٰ عدلیہ کے خلاف بیان بازی کی۔ کہا مجھے کیوں نکالا۔ ووٹ کو عزت دو۔ بھائی آپ کو آئین پاکستان کی دفعہ ۶۲۔۶۳ پر پورا نہ اُترنے۔ صادق اور امین نہ ہونے اور کرپشن کی وجہ سے نکالا۔ آپ کو چاہیے تھا کہ عدالت میں اپنے بے گناہی ثابت کر کے سرخ رو ہو جاتے۔ مگر الٹا آپ نے ملک کی اعلیٰ عدلیہ اور ملک کی محافظ فوج پر حملے شروع کر دیے۔ کسی نے آپ کو نہیں نکالا صرف اللہ نے آپ کو نکالا۔ نہ پہلے عوام نے نواز شریف کے اس غلط بیانیہ پر گھاس ڈالی تھی اور نہ اب ڈالے گی؟

رہی آل پارٹی کانفرنس میں زرداری کی بھڑکیں کہ میں حکومت ہٹاؤ تحریک کا پہلا قیدی ہو نگا۔ زرداری پاکستان اور بیرون ملک میڈیا میں مسٹر ٹین پرسنٹ کے لقب سے مشہور ہوئے۔ زرداری کا کہنا کہ کرپشن میں مجھے پہلے بھی کوئی نہیں پکڑ سکا اور نہ اب بھی مجھے کوئی نہیں پکڑ سکے گا۔تو ذرائع اس پر تبصرہ کر رہے ہیں کہ جب آپ کی پیپلز پارٹی سالوں اقتدار میں رہ کر پاکستان کے ہر محکمے میں اپنے بندے بھرتی کرے گی۔ وہ آپ سے وفاداری نبھاتے ہوئے کرپشن کے ریکارڈ کو آگ لگا دیں گے یا ریکارڈ کو غائب کر دیں گے تو پھر نیب یہ کہتے ہوئے آپ کے میگا کرپشن کیس دفتر داخل کر دے گی کہ فوٹو اسٹیٹ پر مقدمہ نہیں چلایا جا سکتا؟ آپ کے سوئس بنکوں میں کرپشن کے پیسے واپس پاکستان لانے کے لیے سوئس حکومت ایک خط لکھنے کا کہے اور پاکستان کی سپریم کورٹ آپ کے وزیراعظم کو سوئس حکومت کو مطلوبہ خط لکھنے کے آڈر پاس کرے۔آپ کا وفادار وزیراعظم سپریم کورٹ کے فیصلہ پر عمل نہ کرے اور گھر جانا قبول کر لے تو جناب زرداری پھر تو آپ صحیح کہتے ہیں۔ مگر پہلے والا زمانہ اور تھا اور اب عمران خان کا زمانہ ہے، جو کرپشن کے خلاف پہاڑ بن کر کھڑا ہو گیا ہے۔

شہباز شریف صاحب ہمیشہ سے معتدل رویہ والے سیاست دان ہیں۔ وہ فوج اور عدلیہ کے ساتھ ٹکرانے والی سیاست نہیں کرتے۔ جو کچھ انہوں نے آل پارٹی کانفرنس میں فرمایا وہ اپنی پوزیشن کو نواز لیگ میں برقرار رکھنے کے لیے ضروری سمجھتے ہیں۔ بہت جلد وہ مریم صفدر اعوان کو سیاست میں بچھاڑ کر نون لیگ پر قبضہ کر لیں گے۔

اسٹریٹ پاور رکھنے والی جماعت اسلامی کے امیر اور سینیٹر سراج الحق صاحب کا کہنا ہے کہ ہم اصل اپوزیشن ہیں۔ نون لیگ اور پیپلز پارٹی نے فیٹف قانون پر حکومت کا خاموشی سے ساتھ دیا۔اس قانون کے تحت کسی بھی پاکستانی شہری کو استعمار کے حوالے کرنے کا سامان مہیا کر دیا گیا ہے۔کاش کہ عمران خان ڈالر کی چمک کے سامنے ہتھیا نہ ڈالتے۔ اس قانون کی آڑ میں استعمار کے کہنے پر ہماری مساجد اور مدارس پر ڈھاکا ڈالا گیا۔ اب اوقاف کی مساجد اور مدارس اپنے احزاجات کے لیے فنڈ اکٹھا نہیں کر سکیں گے۔ مساجد میں کشمیر اور فلسطین پر بات کی گئی تو اسے دہشت گردی تصور کیا جائے گا۔ اب وقف بورڈ کا ڈاریکٹر، روڈ اور سورتج بنایا کرے گا جسے کسی عدالت میں چلینج نہیں کیا جا سکتا۔نواز شریف ایک طرف کہتے ہیں کہ کسی بھی وزیراعظم کو پانچ سال پورے نہیں کرنے دیے گئے اور خود عمران خان حکومت کو پانچ سال پورا ہونے سے پہلے ہی گرانے کے لیے نکل پڑے ہیں۔ پہلے بھی کئی آل پارٹی کانفرنسز ہوئیں مگر نتیجہ صفر رہا۔ دیکھیں آگے آگے کیا ہوتا ہے؟

نوٹ: کسی بھی مضمون نگار کے خیالات سے ادارہ پیشوا انٹرنیشنل کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

تمثیلِ سیاست

آج کی جمہوریت میں سچّا بھوکا ہے مگر جھوٹے کا پیٹ بھرا ہے کیوں...؟

(بحرانوں میں گھیرے لاغر جمہور پر بے ثمر جمہوریت کا غلبہ)

(تحریر: محمد اعظم عظیم اعظم)

جب جمہور ہی کی عقلیں مردار ہوجائیں، پبلک میں شخصیت پرستی کا عنصر غالب آجائے تو قومیں حق و سچ سے عاری ہوجاتی ہیں۔ پھر ہر زمانے کی ہر تہذیب کے ہر مُلک اور معاشرے اور اقوام میں جھوٹ پوری قوت سے پنپتا ہے۔

جھوٹ پر قائم ریاستیں اور قومیں تباہ و برباد ہوجاتی ہیں۔ علم و عمل کا سلسلہ رک جاتا ہے۔ ایسے مُلک اور معاشرے میں قلم اور قرطاس کا استعمال سچے افراد کے لئے ناپید ہوجاتا ہے۔ جھوٹ کا سہارا لے کر جھوٹے جس طرح چاہتے ہیں۔ حق اور سچ کے علمبرداروں کو گردن سے دبوچ لیتے ہیں۔ یہاں اظہارِ رائے کا فقدان کا پیدا ہونا یقینی ہوجاتا ہے اور جھوٹوں کا معاشروں میں راج قائم ہوجاتا ہے۔ جب معاشرے میں سچ ناپید ہوجاتا ہے۔ تو نسلیں بھی مرجایا کرتی ہیں۔ جہاں نسلیں مرجائیں۔ تو وہاں صدیوں تک بہتری کے اثرات پیدا نہیں ہوتے ہیں۔ قومیں جھوٹوں کے سائے میں پروان چڑھ کر سچ و حق کو منوں مٹی تلے دفن کردیتی ہیں۔ پھر سچ و حق اور میرٹ کا قتلِ عام ہونا کوئی معیوب بات نہیں رہتی ہے۔ ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ سچ اور حق کا گلا گھونٹ کر بننے اور قائم رہنے والی ریاستیں اور اقوام بھی فنا ہوکر نشانِ عبرت بن جایا کرتی ہیں۔

آج بدقسمتی سے 22 یا ساڑھے بائیس کروڑ پاکستانیوں سے بھی سچ و حق کی ڈوری چھین کر کاٹی جارہی ہے۔ جمہور کو بے ثمر جمہوریت کا جھانسہ دے کر آزادی اظہارِ رائے کا حق چھینا جارہا ہے۔ یہ کیسی کمزور جمہوریت ہے؟ جو عاشقانِ قلم و قرطاس اور حق و سچ کے علمبرداروں کو ہی دبا رہی ہے۔ اپنا حکم مکروہ چلا کر زبردستی عاشقانِ حق و سچ سے اپنی مرضی سے صرف اپنے ہی قصیدے لکھوانے اور پڑھوانے کے لئے ساری مشینری استعمال کرنے سے بھی دریغ نہیں کررہی ہے۔

آہ، آج ہمارے یہاں یہ کیسی جمہوریت ہے؟ جس میں آئینے بھی اُلٹا عکس دِکھا رہے ہیں۔ سورج کا رُخ پھیر دینے کے دعوے کرنے والے بھی میدان میں اُترے ہوئے ہیں۔ جو اپنی پوری طاقت سے سورج کو پھیرنے کی کوشش کررہے ہیں۔ یہ کیسی جمہوریت ہے؟ جو بے ثمر کی امربیل کی طرح پنپ رہی ہے یا کوئی خفیہ طاقت یا نظر نہ آنے والا کوئی ہاتھ اِسے بے دلی سے آبیاری کررہا ہے۔ آج تب ہی کہنے کو اِس لولے لنگڑے جمہوری معاشرے میں سچّا بھوکا اور جھوٹے کا پیٹ بھرا ہوا ہے۔ گلے تک بحرانوں میں گھیرے لاغر جمہور بے ثمر جمہوریت میں گھٹ گھٹ کر سانس لے رہے ہیں۔ ایسے میں یہ بھی کوئی ضروری نہیں کہ ہر سانس لینے والی شے حقیقی معنوں میں زندہ بھی ہو۔

پاکستان میں جمہور اور جمہوریت کا ایک خاص مسئلہ یہ بھی ہے جمہور دراصل جمہوریت کے حقیقی معنی اور اپنی طاقت سے ناواقف ہیں۔ تب ہی نام نہاد اور غیر جمہوری مائنڈ سیٹ کو جمہوریت کا نام لے کر جمہور کو بہلا کر اور سبز باغ دِکھا کر اپنی مرضی کی ہلکی پھلکی جمہوریت نافذ کرنے سے لے کر عوام کو لٹو کی طرح گھومانے کا موقعہ مل جاتا ہے۔

جمہور کو اپنی طاقت کا اندازہ نہیں ہے کہ یہ کتنے طاقت ور ہیں۔ عوام کی مثال کھوٹے میں بندھے اُس ہاتھی کی طرح ہے۔ جو اِس غلط فہمی میں مبتلا رہتا ہے کہ یہ جس زنجیر کے سہارے چھوٹے سے کھوٹے سے باندھا ہے یہ لکڑی کا کھوٹا اِس سے زیادہ طاقت ور ہے۔ جب کہ زمین میں دھنسا لکڑی کا کھوٹا ہاتھی کی طاقت کے سامنے عُشرِ عشیر بھی نہیں ہوتا ہے۔ اگر عوام ہوش میں آجائیں۔ تو پھر اِنہیں اپنی طاقت کا بھی اندازہ ہوجائے گا۔ جمہور کو ساتھ ہی لگ پتہ جائے گا کہ جمہوریت کا نام لے کر اِن کو بے ثمر جمہوریت سے کون کس طرح محروم رکھے ہوئے ہے۔ پھر دیکھنا کہ مُلک میں جمہور کو اپنا حقیقی حق اور ثمرِ جمہوریت کیسے نہیں حاصل ہوتا ہے اور نام نہاد اور غیر جمہوری

مائنڈ سیٹ کس طرح دیوار سے لگ جائیں گے۔ مگر افسوس ہے کہ ہمارے یہاں ایسے ہی لاکھوں نام نہاد اور غیر جمہوری مائنڈ سیٹ والے عوام تک جمہوری ثمرات پہنچانے میں سب سے بڑی رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔

کیا اَب جمہور پر یہ لازم نہیں ہے کہ یہ اپنی عقلوں کی خود آبیاری کریں۔ اپنی آنکھوں پر بندھی شخصیت پرستی اور ذاتی انا کی سیاہ پٹی کو کھینچ کر اُتار پھینکیں۔ عوام جمہوریت کی فارم ہاوس میں اپنے ہی ہاتھوں سے آبیاری کریں۔ یوں یہ جمہوریت کی لولی پاپ دے کر غیر جمہوری طریقوں سے آزادی اظہارِ رائے پر قدغن لگانے والوں سے اپنا حقیقی حق چھین لیں۔ حکمران ہوش کے ناخن لیں۔ عوام میں پیدا ہونے والے جمہوری اور جمہوریت کے اضطراب پن کو سمجھیں۔

اَب وقت آ گیا ہے کہ حکمران اور غیر جمہوری مائنڈ سیٹ کے حامل طبقات دو قدم آگے بڑھ کر عوام کو گلے لگائیں۔ خوش اخلاقی سے جمہوری ثمرات عوام الناس کو منتقل کریں۔ اِسی میں مُلک اور قوم کی حقیقی ترقی پنہاں ہے۔ ورنہ؟ ایسے غیر جمہوری سسٹم میں یوں ہی سراب اور خوابوں میں جمہوری چہ میگوئیاں کرنے کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ کیوں کہ جمہور بیدار ہو رہے ہیں کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ نام نہاد اور غیر جمہوری مائنڈ سیٹ اپنے ہی کئے پر خود ہی قصہ پارینہ بن جائیں۔

جب تک در ایوان جلایا نہیں جاتا
تب تک کسی حاکم کو جگایا نہیں جاتا
ظالم کے ستم سے ہو اگر خلق خدا تنگ
دنیا اسے کیا مار گرایا نہیں جاتا
پیران عجم کیجیے تدبیر ابھی آپ
دل سے تو مرے کرب کا سایا نہیں جاتا
مقدور اگر ہو تو وہ پہنچانا سہولت
جمہور کو انگلی پہ نچایا نہیں جاتا
حالات بدل سکتے ہیں کروٹ کسی لمحے
ہو حکَ تو گھوڑے کو سدھایا نہیں جاتا
عادلؔ جو کمایا ہوا ہے داغ محبت
یہ داغ زمانے کو دکھایا نہیں جاتا

عزیز عادلؔ

”تُو مولا ہے قادر، قدیر“ (کلام: امتہ الباری ناصر صاحبہ)

میرے پیارے بہت پیارے خدا
ہے دِل تیرے دَر پر جھکا
ہے پاک تُو پیارے پروردگار
مَیں عاجز ہوں اِک خاکسار
تُو ارفع ہے عالی جناب
مَیں ہوں جیسے پانی پر حباب
تُو مولا ہے قادر ، قدیر
ہوں مَیں تیرے دَر کی فقیر
تُو ربّ ہے واحد لاشریک
دے دے مجھے بخشش کی بھیک
تُو باقی و زندہ خدا
ہو جانا ہے مجھ کو فنا
ہے سجدے میں میری جبیں
یاں سے تو اب اُٹھنا نہیں
مَیں آئی ہوں در پر تیرے
ہے مانگنا تجھ سے تجھے
جو مانگتی ہوں کر عطا
تجھ کو تیرا ہی واسطہ

زخمی کانپوری۔۔۔۔زندہ رہیں تو کیا ہے مر جائیں ہم تو کیا؟

محمد نعیم یاد۔۔۔جوہر آباد

''زندہ رہیں تو کیا ہے مر جائیں ہم تو کیا'' یہ بول منیر نیازی کی ایک مشہور غزل کے ہیں جسے فلم ''خریدار'' میں ناہید اختر نے گا کر تہلکہ مچا دیا تھا۔اس کی دُھن معروف موسیقار ایم اشرف نے بنائی تھی جو اس وقت ان کے کیریئر میں ایک شاندار اضافہ تھا۔

منیر نیازی کی اس غزل کے یہ بول ناہید اختر کی آواز میں جب بھی سماعت سے گزرتے ہیں تو اس کے مصداق وہ شخصیت سامنے آتی ہے جس کی ساری زندگی فلمی صحافت میں گزری لیکن پھر بھی اس کو وہ مقام نہ دیا جا سکا جس کے وہ حقدار تھے۔

ایک وقت تھا جب فلم پر لکھنا اچھا نہیں سمجھا جاتا تھا۔فلمی شاعری کو شاعری نہیں سمجھا جاتا تھا اور نہ ہی فلمی منشیوں کو ادیب۔بڑے بڑے ادیب اور شعراء فلم اور اسٹیج کے لیے لکھنے کو اپنی کسرِ شان سمجھتے تھے، نتیجے میں معمولی پڑھے لکھے لوگوں سے ہی ڈرامے اور مکالمے لکھوائے جاتے۔پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ آغا حشر کاشمیری جیسے لوگوں نے فلم اور اسٹیج کی دنیا میں قدم رکھا اور فلمی دنیا کو جلا بخشی۔بڑے سے بڑے شعراء نے فلموں میں اپنی غزلوں اور گیتوں کے ذریعے اپنا اپنا حصہ ڈالا اور بے پناہ مقبولیت حاصل کی۔جب فلمی صحافت کا دور شروع ہوا تو بہت کم لوگ ایسے تھے جنھوں نے اپنے قلم کے ذریعے فلمی دنیا پہ لکھنا شروع کیا۔انہیں ناموں میں ایک اہم نام زخمی کانپوری کا ہے جنھوں نے تادمِ تحریر پاکستان فلمی تاریخ پر کام کیا۔فلمی حوالے سے اتنے مضامین لکھے جو شاید انھیں بھی یاد نہ ہوں۔پاکستان کی فلمی تاریخ پر درجن سے زائد کتابیں رقم کیں جو اپنی طرز کے منفرد اسلوب سے پہچانی جاتی ہیں۔

زخمی کانپوری کا اصل نام جمیل احمد تھا۔آپ 18 اگست 1938ء کو بھارت کے شہر کانپور میں پیدا ہوئے۔پاکستان بنا تو آپ کراچی آ گئے۔اپنا تعلیمی سلسلہ جاری رکھا اور ایم اے اُردو کے ساتھ ساتھ ایل ایل بی کی ڈگری حاصل کی۔1962ء میں پاک بحریہ میں ملازمت اختیار کی۔1980ء تک آپ پاک بحریہ میں اپنے فرائض سرانجام دیتے رہے اس کے بعد آپ وکالت کے پیشے سے وابستہ ہو گئے اور آخری وقت تک اس شعبے سے وابستہ رہے۔

اُن دنوں کراچی فلمی صنعت کا اہم مرکز سمجھا جاتا تھا۔اور پاکستان فلم انڈسٹری اپنے عروج پر تھی۔فلم سازوں، ہدایتکاروں، نغمہ نگاروں اور اداکاروں تک بڑے بڑے نام تھے جو فلمی دنیا سے وابستہ تھے۔زخمی کانپوری نے فلمی دنیا سے اپنے شوق کو دیکھتے ہوئے فلمی مضمون نگاری سے لکھنے کا آغاز کیا۔ان کے مضامین کی نمایاں خوبی یہ ہوتی تھی کہ وہ معیاری اور خوب صورت طرزِ تحریر کے ساتھ وسیع معلومات کے حامل ہوتے تھے یہی وجہ تھی کہ تمام اہم اور کثیر الاشاعت اخبارات ورسائل نے ان مضامین کو اہمیت اور نمایاں جگہ دی۔اپنے اس منفرد کام کی بدولت انھوں نے خوب نام بنایا۔فلمی صنعت کے چھوٹے بڑے واقعات کو اس قدر بھرپور اور دلچسپ انداز میں قلم بند کیا کہ جو یادگار بن گئے۔

قدرت نے بعض لوگوں کی سرشت میں جہدِ مسلسل اور محنت کو اس انداز سے سمویا ہے کہ وہ اپنے تمام عرصہ حیات محنت اور جہدِ مسلسل سے وابستہ رہتے ہیں اور کبھی ان سے منہ نہیں موڑتے۔زخمی کانپوری ہمہ گیر شخصیت کے مالک تھے۔تجربات اور مشاہدات نے ان کی شخصیت کو پہلو دار بنا دیا تھا کہ جس پہلو سے بھی ان کی شخصیت کا جائزہ لیا جائے وہ

پہلو انتہائی پختہ نظر آتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ فلمی ادبی دنیا میں انھوں نے اداکاری،نغمہ نگاری،ہدایت کاری،فلم سازی،موسیقی سمیت تمام اہم موضوعات پر قلم اُٹھایا اور ان سے وابستہ شخصیات پر مضامین لکھے۔وہ شاعری اور موسیقی کے فن سے نہ صرف واقفیت رکھتے تھے بلکہ دسترس حاصل تھی۔ان کی تمام تر کتب ان کے اس فن کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

زخمی کانپوری نے اپنے چودہ سالہ فلمی مضمون نگاری میں پانچ سو سے زائد فلمی مضامین تحریر کیے جو روزنامہ حکب،ہفت روزہ اخبارِ جہاں،اورہفت روزہ نگار کے علاوہ ادبی جریدے ''ماہنامہ دنیائے اَدب'' میں بھی شائع ہوئے۔آپ کے مضامین کا اسلوب سادہ مگر دلچسپ اور معلومات سے بھرپور ہوتا۔ان مضامین کے لیے انھوں نے باقاعدہ تحقیق کی،سفر کیے،شاعروں سے انٹرویو کیے اور فلم سے تعلق رکھنے والوں کی باتیں ریکارڈ کیں۔حتیٰ کہ مضامین کے حوالے سے تحقیق کے لیے وہ کراچی سے لاہور تشریف لائے اور فلمی شاعروں سے بذاتِ خود ملاقات بھی کی۔انھوں نے برصغیر کے 80 نغمہ نگاروں پر مضامین تحریر کیے۔

زخمی کانپوری کی تمام کتب فلمی معلومات کا خزینہ ہیں۔ان کتب میں شامل ہر مضمون آپ کو فلمی دنیا کی ایسی سیر کرائے گا جو آپ کو عجیب لطف دے گی۔آپ نے مختلف شعبوں کی اہم شخصیات ان کی کارکردگی اور کامیابیوں کو عمدگی کے ساتھ محفوظ کیا۔جو بلاشبہ مستقبل کے لیے مستند دستاویز ہے۔اس لحاظ سے زخمی کانپوری کو فلمی دنیا کا محقق کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

زخمی کانپوری نے اپنی پوری زندگی محنت اور لگن کے ساتھ گزاری۔اپنے کام کو شوق کا لبادا پہنا کر مکمل کیا۔ان کے کام کو دیکھا جائے تو حکومتی سطح پر سب سے بڑا سول ایوارڈ بھی ان کے آگے ہیچ دکھائی دیتا ہے مگر افسوس اتنا بڑا علمی وادبی کام کے باوجود ان کو کسی بھی ثقافتی اور حکومتی سطح پر کوئی ایوارڈ نہیں دیا گیا۔ان کے بھتیجے محمد فیصل کانپوری سٹی بک پوائنٹ کے تعاون سے ان کی کتب آج بھی ان کے چاہنے والوں تک پہنچا رہے ہیں مگر وہ بھی اسی شکوہ کے ساتھ کہ پڑوسی ملک میں امیتا بچن پر کتاب لکھنے پر پی ایچ ڈی کی ڈگری دی جاتی ہے مگر ہمارے ہاں فلمی تاریخ پر درجن سے زائد کتابیں تحریر کرنے پر بھی کوئی اعزاز نہیں دیا جاتا۔

8 مئی 2011ء کو زخمی کانپوری اس دنیا سے رخصت ہوگئے مگر ان کا نام اور کام ہمیشہ زندہ رہے گا۔۔۔تاریخ کے اوراق میں،لوگوں کے سینوں میں اور کتابوں کے اوراق میں۔

آنکھ سے دور سہی دل سے کہاں جائے گا
جانے والا تو ہمیں بہت یاد آئے گا

''غریب،بے بس،جاہل مسلمان کی پکار!!'' (رانا محمد حسن)

بھوک کے شعلوں میں جلایا گیا ہوں
خودی کی خُو بُو نہ رہی باقی
مذہبی فرقوں نے کچل دیا میرا ضمیر
بیٹھ گیا ہے شیخ درِ میخانہ پر
بادہ و جام کو ترستا ہوں
دل کی زمین بنجر ہو رہی ہے

جنت کے قصوں سے بہلایا گیا ہوں
بحرِ بے بسی میں گرایا گیا ہوں
مرتد، زندیق و کافر ٹھہرایا گیا ہوں
اک بوند کو بھی ترسایا گیا ہوں
یا خدا! آئیں مسلمان بنایا گیا ہوں
لفظوں کے سحر میں الجھایا گیا ہوں

انوکھی بارات! (افسانہ)

(افسانہ نگار: تنویر صادق)

اس کے بھائی رو رو کر لوگوں کو بتا رہے تھے کہ محلے کے کچھ لڑکے ان کی بہن کو اغوا کر کے لے گئے ہیں مگر کوئی ماننے کو تیار نہیں تھا۔ سب کو یقین تھا کہ بھائیوں کے رویے سے تنگ اس نے مجبوری میں خود کوئی فیصلہ کیا ہوگا۔ وہ خوبصورت تھی، جوان تھی۔ بڑی سمجھدار اور رکھ رکھاؤ والی لڑکی تھی، اخلاقی قدروں کو جانتی اور عمل کرتی تھی، اس لئے کوئی اسے اغوا کر کے لے جائے یا وہ بھاگ جائے، یہ ممکن نہیں تھا۔ اس کر کردار اور حسن اخلاق کے سبب محلے کے کئی لڑکے خود اور بہت سوں کے گھر والے اسے اپنانا چاہتے تھے۔ مگر اس کے بھائی کسی کی سننے کو تیار ہی نہ تھے۔ میرا خیال تھا کہ اس نے اپنے بارے کوئی ٹھیک فیصلہ ہی کیا ہوگا۔ بھائی اس سے جو سلوک کر رہے تھے، مجھے بھی پہلے سے یقین تھا کہ آخر کچھ ایسا ہی ہوگا۔ کسی نے پولیس کو اطلاع دینے کا کہا، مگر بھائیوں کے بقول پولیس اغواء کرنے والوں کے ساتھ ملی ہوئی ہے اور کچھ سننے کو تیار نہیں۔ اغواہ کرنے والے کون ہیں۔ ایک لمبی لسٹ ان ناموں کی جن پر انہیں شک تھا، ان کے پاس تھی۔ اتنی لمبی لسٹ دیکھ کر سب ہنستے اور کہتے، لگتا ہے لگتا ہے کہ ایک پوری بارات ہی اسے اٹھا کر لے گئی ہے۔

دو دن بعد وہ میری بیگم اور محلے کی دوسری عورتوں سے ملنے خود وہاں موجود تھی۔ اس نے شادی کر لی تھی اور اس کی ساس جو رشتے میں اس کی خالہ بھی تھی اس کے ہمراہ تھی۔ اس کی ساس سب کو بتا رہی تھی کہ ساری برادری شادی میں شامل تھی سوائے اس کے بھائیوں کے۔ بڑی دھوم دھام سے ہم نے بارات اور ولیمے کا اہتمام کیا تھا۔ چنانچہ اس کی آمد سے ساری حقیقت بے نقاب ہوگئی۔ ایک بارات ہی اسے لے کر گئی تھی۔ یہ بارات اس لئے انوکھی تھی کہ بھائیوں کو اعتراض تھا ورنہ بارات کی صورت میں شادی انجام پانا تو کوئی جرم نہیں ہوتا۔ وہ خود بھی اپنے فیصلے پر نازاں تھی کہ اس نے ٹھیک کیا تھا۔ اسے نہ تو کسی نے اغواء کیا نہ وہ بھاگی۔ اس نے سارے خاندان کی موجودگی میں شادی کی تھی۔ اس کے بھائی اس سے جو سلوک کر رہے تھے اس کا بڑا فطری انجام تھا، مفادات کی پٹی آنکھوں پر بندھی نہ ہو تو یہ انجام ہر ایک جانتا ہے۔

اس کی ماں اور باپ دونوں مر چکے تھے اور وہ بھائیوں کے رحم و کرم پر تھی اور اپنے بھائی کے پاس رہتی تھی۔ ایک دن بھائی اور بھابھی کسی کام سے گئے ہوئے تھے اور وہ گھر میں اکیلی تھی۔ دروازے پر دستک کی آواز سن کر اس نے دروازہ کھولا۔ اس کے گاؤں کا وہ لڑکا جسکی ماں اور اس کی رشتے کی خالہ تھی اور اس کے رشتے کے لئے بارہا اس کے گھر آتی رہی تھی، دروازے پر کھڑا تھا۔ لڑکے نے اس کے بھائی کا پوچھا۔ جواب میں اس نے بتایا کہ بھائی گھر پر نہیں وہ گھر میں اکیلی ہے۔ لڑکے نے اسے کہا کہ وہ چند باتیں کرنا چاہتا ہے اگر اسے اعتراض نہ ہو۔ اسے کیا اعتراض تھا۔ اس کی تو مراد پوری ہو رہی تھی۔ اس نے اسے اجازت دے دی۔

لڑکے نے سوال کیا کہ تم شادی کیوں نہیں کرنا چاہتی۔

تمہیں کس نے کہا، اس نے جواب دیا۔

لڑکا بولا میری ماں پانچ سال سے چکر لگا رہی ہے۔ تمہارے بھائی ہر دفعہ تمہاری عمر مزید کم کر دیتے ہیں اور کم عمری کا بہانہ کر کے انکار کر دیتے ہیں۔ مجھے تم اچھی لگتی ہو اور میں نے اپنی ماں سے صرف تم سے شادی کا کہا ہے مگر تم لوگوں کے رویے سے میری ماں تنگ آ گئی ہے۔ پچھلی دفعہ تمہارے بھائیوں نے اتنا برا رویہ اپنایا کہ وہ اب تمہارے گھر آنے کو تیار نہیں۔ مجبوری میں، میں خود آیا ہوں۔ میں تین چار دن سے موقع کی تلاش میں تھا کہ تم کہیں راستے میں اکیلی ملو تو بات کروں مگر تمہارا بھائی تمہیں اکیلا چھوڑتا ہی نہیں۔ آج میں نے دیکھا کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ نکلا ہے تو ہمت کر کے یہاں آیا ہوں۔

اس نے کہا بھائی آنے والا ہوگا تم میرا فون نمبر لے لو اور کل مجھے جب میں فیکٹری میں ہوں گی تب فون کرنا۔

لڑکے نے فون نمبر لیا اور واپس چلا گیا۔

اس کی ماں کو مرے چار سال ہو چلے تھے۔ مرنے سے کچھ دن پہلے اس کی ماں کو کسی عزیز نے اپنے بیٹے کے لئے اس کے رشتے کا پیغام بھیجا تھا مگر اس کی ماں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ ایک تو میری بیٹی چھوٹی ہے اور دوسرا میں نے ابھی ایک بیٹے اور

ایک بیٹی کی شادی کی ہے اس لئے مالی طور پر وہ ایک اور شادی کرنے کی پوزیشن میں نہیں۔

پھر چند مہینوں بعد اس کی ماں مر گئی۔اب وہ اپنے گاؤں والے گھر میں بالکل اکیلی تھی۔مرنے والی کی کچھ دن کی رسومات کے بعد جب اس کا بھائی شہر اپنے کام پر بیوی بچوں سمیت واپس جا رہا تھا تو اسے بھی ساتھ شہر لے آیا۔گاؤں کے مقابلے میں یہ شہر کا نیا ماحول بڑا مختلف تھا۔وہ سارا دن اداس اداس بیٹھی رہتی اور کبھی شدت سے ماں کی یاد آتی تو اسے یاد کر کے رو لیتی۔ بھائی نے یہ سوچ کر کہ اس کا دل بہل جائے اسے گھر کے قریب ایک فیکٹری میں نوکری دلا دی۔

فیکٹری میں کام کی وجہ سے اس کا دل شہر میں لگ گیا۔بڑی معقول تنخواہ تھی۔ایک غریب خاندان کے لئے یہ بہت بڑی رقم تھی۔گھر کے لوگ اس کا احترام بھی کرنے لگے اور خصوصی خیال بھی رکھنے لگے۔اس کی شادی کا سوچنا بھی ختم کر دیا گیا۔گھر میں جوان بچی ہو تو رشتے تو ہر صورت آنے ہوتے ہیں۔اس کی ماں کو مرے ایک سال ہو گیا تھا۔اب جو رشتے آئے اس کے بھائی نے ان لوگوں کو یہ کہہ کر کہ میری بہن بہت چھوٹی ہے۔ابھی تو وہ فقط انیس (19) سال کی ہے،لوگوں کو واپس کر دیا۔

اس نے بڑی معصومیت سے بھائی کو پوچھا،''بھائی جب ماں مری تھی تو میں بیس سال کی تھی، ماں کو مرے ایک سال ہو گیا ہے، مگر میری عمر ایک سال بڑھنے کی بجائے، کم کیسے ہو گئی ہے؟'' بھائی نے مسکرا کر کہا کہ تمہاری عمر کی بچیاں شادی کی باتیں نہ تو کرتی ہیں اور نہ ہی اس بارے سوچتی ہیں۔ہم جب بھی فیصلہ کریں گے وہ تمہارا بھلا دیکھ کر ہی کریں گے۔

کچھ مزید سال گزر گئے۔وہ عورت جو رشتے میں اس کی خالہ بھی تھی اور اس کی ماں کی زندگی میں رشتہ مانگنے آئی تھی اس سال پھر ایک بار پھر اپنے بیٹے کے لئے اسکے بھائی کے پاس آئی۔ بھائی نے اس عورت کو پھر انکار کر دیا یہ کہتے ہوئے کہ میری بہن تو ابھی بہت چھوٹی ہے فقط سترہ برسوں کی۔میں اتنی چھوٹی عمر میں اس کی شادی نہیں کروں گا۔عورت اس کے بھائی سے جھگڑنے لگی کہ کیا مذاق ہے۔میں ہر سال آتی ہوں تم اگلے سال آنے کا کہہ کر وقتی انکار کرتے ہو اور ساتھ ہی اس کی عمر ایک سال بڑھانے کی بجائے کم کر دیتے ہو۔تمہاری بہن چوبیس سال کی ہونے والی ہے تم مجھے سترہ بتاتے ہو۔ مجھے بات سمجھ آ رہی ہے۔ وہ فیکٹری میں کام کرتی ہے، معقول تنخواہ لیتی ہے۔لگتا ہے تمہیں بہن کو ملنے والی تنخواہ بہت عزیز ہے۔صرف اس تنخواہ کے لئے تمہیں اپنی بوڑھی ہوتی بہن نظر نہیں آتی۔اس کے بھائی اور اس عورت میں بہت تلخ جملوں کا تبادلہ ہوا اور وہ عورت لڑتی ہوئی ان کے گھر سے چلی گئی۔

عورت کی بات اسے بھی سمجھ آ رہی تھی۔یہی باتیں اس کی فیکٹری میں کام کرنے والی سہیلیاں بھی کہتی تھیں۔واقعی اس کا بھائی پیسے کے لالچ میں اس کی شادی کرنے کو تیار نہیں تھا۔آدمی بالغ ہو جائے اور اس کی معقول آمدن بھی ہو تو کہتے ہیں کہ اس کے اندر کوئی چیز بولتی ہے جو اسے شادی کے لئے مائل کرتی ہے۔اس کی عمر بھی تھی، معقول آمدن بھی تھی۔شادی اس کی بھی خواہش تھی، وہ کیسے چپ رہتی۔اس نے پہلے دبے دبے لفظوں میں بھائی سے احتجاج کیا۔بھائی کی ہٹ دھرمی دیکھ کر وہ کچھ نالاں بھی ہوئی۔اپنے ناراض رویے سے گھر والوں کو محسوس کرایا کہ ان کے فیصلے سے وہ کچھ خوش نہیں۔مگر بے بس تھی کچھ نہیں کر سکتی تھی۔آج جانے کیوں اس کے اندر بغاوت کا ننھا سا پودا پھوٹ پڑا۔ یہ سوچ کر کہ وہ بالغ ہے، اپنے فیصلے کرنے میں آزاد ہے۔اس نے بہت ہمت سے ذہنی طور پر خود کو حالات سے مقابلہ کرنے کو تیار کرنے کا سوچ لیا۔مگر کیا کرے یہ سمجھ نہ آتی تھی۔

لالچ عجیب بلا ہے کہ کسی کا بس نہیں چلتا۔اس کی معقول آمدن کے لالچ میں اس کا بھائی تو ہر دفعہ چھوٹی عمر کا بہانہ کر دیتے تھا اور ہر دفعہ اس کا یہ احساس کہ بھائی اس سے مخلص نہیں بڑھتا جا رہا تھا۔عورت کے جانے کے بعد اسے پوری طرح اندازہ ہو گیا کہ اس کی آمدن اس کی شادی کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ بن چکی ہے مگر مجبور تھی۔وہ بھائی اور گھر والوں سے کچھ کھچی کھچی رہنے لگی۔اسے مسلسل ناراض پا کر بھائی بڑے پیار سے اسے سمجھانے لگا کہ وہ چاہتا ہے کہ اس کی شادی دھوم دھام سے ہو۔اس وقت پیسے نہیں کچھ انتظار کرو۔اس کے نہ ماننے پر بھائی کھل کر کہنے لگا۔تم لوگوں کے بھڑکانے پر ہمیں بھوکا مارنا چاہتی ہو۔جو مرضی ہو میں تمہاری شادی نہیں کروں گا۔ بھائی کی یہ بات سن کر اسے یقین ہو گیا کہ اس کا بھائی اس سے دھوکا کر رہا ہے، وہ اس کی تنخواہ اپنے بچوں پر خرچ کر رہا ہے اور وہ اس کی شادی کسی صورت نہیں کرے گا۔

اس لڑکے سے ملاقات کے بعد اس احساس سے کہ کوئی اسے چاہنے والا ہے عابدہ عجیب نشے سے دوچار، اگلے دن اپنے فیکٹری جانے کا سوچ کر بے قرار تھی۔ پہلے فون پر رابطہ ہوا۔دو چار دن میں کچھ تکلف کم ہوا تو پھر لڑکا اسے خود آ کر ملا۔چند دن

بعد اس کی ماں اور باپ بھی آ کر اسے ملے۔ اسے حوصلہ دیا کہ ہم تمہارے ماں باپ ہی ہیں۔ بہتر فیصلہ اور باقاعدہ شادی کریں گے اور تمام برادری اس میں شریک ہوگی۔ وہ تو ذہنی طور پر پہلے ہی تیار تھی، ان کی باتیں سن کر اس نے ہاں کر دی۔ پلان کے مطابق اگلے کچھ دن سے وہ اپنی ضروری چیزیں گھر سے لاتی رہی اور پھر تمام انتظام کرنے کے بعد ایک صبح وہ فیکٹری کی بجائے ایک وکیل کے دفتر میں موجود تھی۔ اس کا سسر بڑا جہاں دیدہ شخص تھا، اس نے پورا انتظام کیا ہوا تھا۔ پہلے نکاح ہوا پھر ایک مجسٹریٹ کے سامنے دونوں میاں بیوی کا بیان حلفی اور گھر جانے سے پہلے متعلقہ تھانے میں نکاح اور بیان حلفی کی کاپیاں جمع کرا دی گئے۔ چند گھنٹوں بعد وہ پورے اطمینان سے اپنے گھر میں نئی دلہن کے روپ میں، کسی ڈر اور خوف سے بے نیاز، موجود تھی۔ شادی کا پورا اہتمام تھا، سارا گاؤں، اس کے سارے رشتہ دار، سوائے بھائی کے، موجود تھے۔ اک عرصہ بیت چکا ہے، وہ آج بھی اپنے گھر میں خوش اور اپنے میاں کے ساتھ آرام دہ خوشگوار زندگی گزار رہی ہے۔ اس کا بروقت فیصلہ اس کی زندگی سنوار گیا ہے۔ کبھی کبھی بروقت بھاگنا بھی بڑا سود مند ہوتا ہے۔ مگر یہ غلط ہے کہ وہ بھاگی یا اغوا ہوئی۔ اس کا بھائی جب لالچ کا شکار ہوا تو اس نے رشتہ داروں کی مدد سے وہی کام کیا جس کی سماج اجازت دیتا ہے۔ گو یہ بغاوت تھی مگر ایسی بغاوت اس کا جائز حق تھا۔

”سنو ابلیس کے چیلو کہ تم کو بھی شرم آئے“

(کلام: منیر احمد باجوہ۔ ہمبرگ۔ جرمنی)

وہ دن آتے ہیں کب دیکھیں کہ ہم کو بھی شرم آئے
بڑی حسرت رہی اے دل کہ ہم کو بھی شرم آئے

بہت آسان ہے کہنا کہ ہم شرمندہ ہیں اے دل
کیا ہوگا کبھی ایسا؟ کہ ہم کو بھی شرم آئے

یہاں باتیں ہی باتیں ہیں فقط دعوے ہی دعوے ہیں
بہت ارمان ہیں مَن میں کہ ہم کو بھی شرم آئے

شرم کو الوداع کہہ کر عمل اس کے مخالف ہیں
کہیں پھر کس زباں سے ہم کہ ہم کو بھی شرم آئے

ہوا آدم تھا شرمندہ خلوصِ دل ندامت سے
سنو ابلیس کے چیلو کہ تم کو بھی شرم آئے

نہ عزت آبرو باقی نہ عصمت جاں سلامت ہے
یہی پیغام زینب ہے کہ تم کو بھی شرم آئے

قیادت وہ قیادت ہے خدا خود ساتھ ہو جس کے
اطاعت میں رہیں اسکی کہ عالَم کو بھی شرم آئے

زمیں بھی آسماں تک ہے پکار اٹھی منیر اب تو
ہدایت دے میرے مولا کہ ظالم کو بھی شرم آئے

اعلان برائے اشتہارات

کاروبار کی ترقی کے لیے اشتہارات کی اشاعت عصر حاضر میں کاروباری حضرات کی اہم ضرورت ہے۔ ادارہ پیشوا نہایت کم قیمت پر اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے حاضر ہے۔

A.4۔ فل سائز۔ کلر۔ 150£ ہاف پیج۔ کلر۔ 80£ کوارٹر پیج۔ کلر۔ 50£

پیشوا میں اشتہارات شائع کروانے کے لئے درج ذیل فون نمبر پر رابطہ فرمائیں

رانا عبدالصمد خاں 07792998973

اسلامی جمہوریہ پاکستان میں اسلام اور سیاست !!

مسلمان ریاستوں میں اقلیتوں کی حالت زار

قسط 13

تحریر: رانا محمد حسن خاں

معزز قارئین! آیئے دیکھتے ہیں کہ تقسیم ہندوستان سے پہلے اور بعد برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کی دینی اور دنیاوی طور پر کیا حالت ہے۔

پاکستان بننے سے پہلے متحدہ ہندوستان میں مولانا محمد علی جوہرؔ مسلمانوں کی تباہی کا سبب بیان کرتے ہوئے کہا تھا:۔

''اسلام سے میں جس قدر واقف ہوا اس نے مجھے یقین دلا دیا کہ ہماری تباہی کا سبب یہ نہیں ہے کہ ہم اسلام کے سچے پیرو ہیں اور یورپ کا اتباع نہیں کرتے۔ بلکہ اس کا اصلی سبب یہی ہے کہ ہم حقیقی اسلام سے دور جا پڑے ہیں اور اس پر عامل نہیں ہیں۔ اور یورپ پھر بھی بعض چیزوں میں حقیقی اسلام کا اتباع کر رہا ہے۔ جوں جوں مَیں اسلام کی حقیقت سے اور زیادہ واقف ہوتا گیا، میرا یہ گمان درجہ یقین تک پہنچتا گیا اور اب تو مَیں اپنی زندگی کو اس مشن کے لیے وقف کر چکا ہوں کہ پہلے خود مسلمان بنوں اور پھر اور مسلمانوں کو مسلمان بناؤں اور بالآخر چار دانگ عالم میں نورِ اسلام پہنچاؤں۔ ہم مسلمان وہی غلطی کر رہے ہیں جس کے باعث کفار تباہ حال ہوئے یعنی ہم نے انسانی زندگی کے دو ٹکڑے کر ڈالے اور جسم کو روح سے اور روح کو جسم سے الگ کر کے اپنے اوپر موت کی سی کیفیت طاری کر دی۔ ہم نے دین اور دنیا میں تفریق کر دی حالانکہ دین، دنیا کے صحیح طور پر برتنے ہی کا نام ہے اور اس کے سوا کچھ نہیں۔

علماء نے اپنے اور بادشاہوں کے لیے اجارہ داریوں کو قبول کر کے ہم کو حقیقی اسلام سے بہت دور پھینک دیا ہے۔ اور بادشاہت اور پاپائیت کے دو بت جو ھبل اور لات وعُزّیٰ سے بھی بڑھے ہوئے ہیں۔ ساری دنیا میں معہ دنیائے اسلام کے آج بھی پوجے جا رہے ہیں۔ ان بتوں کو توڑنا ہمارا پہلا فرض ہے۔ اور ہمارے دنیا داروں کو دین دار اور دینداروں کو دنیا دار بننا پڑے گا۔ لیکن حقیقی طور پر دنیا دار اور دین دار اس لیے کہ مصنوعی طور پر تو اکثر دنیا دار دین دار بنتے ہیں اور اکثر دین دار بدترین قسم کے دنیا دار ہوتے ہیں۔''

(مولانا محمد علی جوہر کے یورپ کے سفر۔ خودنوشت صفحہ ۸۹، ۹۰)

پاکستان بن جانے پر مسلمانوں کی اکثریت نے ہندوستان ہی میں رہنے کو ترجیع دی۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے کھل کر پاکستان بننے کی مخالفت کی تھی اور پاکستان بن جانے کے بعد انہوں نے مسلمانوں کو ہندوستان ہی میں رہنے کی تحریک کی اور پاکستان بن جانے کے دس برس بعد پاکستان کی مذہبی، سیاسی، معاشی اور آئینی کارکردگی کے متعلق مولانا ابوالکلام آزاد نے اور مسلمانوں کے ایک مجمع سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ

''ہندوستان نے اپنی آزادی حاصل کر لی، مگر اپنی وحدت کھو دی۔ ایک نئی ریاست پاکستان کے نام سے وجود میں لائی گئی۔ پاکستان مسلم لیگ کی تخلیق تھا لیگ میں مشکل ہی سے کوئی ایسا رکن رہا ہو گا جس نے ملک کی آزادی کے لئے حبک نکڑی ہو۔ نا تو انھوں نے کوئی ایثار کیا تھا، نہ ہی وہ کسی جدوجہد کی ڈسپلن سے گزرے تھے۔ ان میں یا تو ریٹائرڈ حکام تھے، یا ایسے افراد جو انگریزوں کی سرپرستی کے تحت عوامی زندگی میں لائے گئے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب نئی ریاست کی تشکیل ہوئی تو اقتدار ایسے لوگوں کے ہاتھ میں چلا گیا جو خدمت یا قربانی کا کوئی ریکارڈ نہیں رکھتے تھے۔ نئی ریاست کے بہت سے حکمراں خود غرض لوگ تھے۔ وہ صرف ذاتی مفاد کی خاطر عوامی زندگی میں آئے تھے۔

دس برس گزر چکے ہیں اور ابھی حال ہی میں (وہاں) ایک آئین وضع کیا جا سکا ہے۔ حد تو یہ ہے کہ یہ شکل بھی آخری نہیں لگتی۔ کیونکہ جب دیکھو آئین میں مزید تبدیلیوں کی تجاویز ہوتی رہتی ہیں۔ کسی کو معلوم نہیں کہ نئے آئین کے تحت پہلے انتخابات کب کرائے جائیں گے۔

پاکستان کی تخلیق کا واحد نتیجہ برصغیر ہندوستان کے مسلمانوں کی پوزیشن کو کم کرنا تھا۔ دوسری طرف ابھی تک کوئی ایسا اشارہ نہیں ملا جس سے پتہ چلتا کہ پاکستان میں ایک مستحکم اور مستعد حکومت قائم کی جا سکتی ہے۔ اگر اس سوال کو صرف مسلم فرقے کے نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو کیا کوئی آج انکار کر سکتا ہے کہ ان کے لیے پاکستان ایک بہت افسوسناک اور نامبارک قدم رہا ہے؟ واقع تو یہ ہے کہ میں جتنا سوچتا جاتا ہوں، اتنا ہی قائل ہوتا جاتا ہوں کہ پاکستان نے کوئی مسئلہ حل نہیں کیا۔"

(آزادی ہند از مولانا ابوالکلام آزاد)

اگر آج پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے ۷۲ برس بعد مولانا ابوالکلام آزاد زندہ ہو کر واپس آ جائیں تو نہ جانے کیا کیا کچھ کہہ دیتے۔ ان کے نظریہ کو شاید یہ بات مزید تقویت دیتی کہ ۷۱ء میں پاکستان کا ایک بازو کٹ گیا تھا اور متفقہ آئین ۷۳ء میں تشکیل پا سکا اور اس آئین کی روح پر بھٹو اور ضیاء الحق نے تازیانے برسا کر لہولہان کر دیا تھا۔ آیئے پاکستان کی مختصر تاریخ کا جائزہ لیتے ہیں۔

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان معرض وجود میں آیا۔ قائداعظم محمد علی جناح پاکستان کے پہلے گورنر جنرل بنے اور لیاقت علی خان وزیراعظم بن گئے۔ قائداعظم نے گورنر جنرل بنتے ہی مسلم لیگ کی صدارت چھوڑ دی اور اپنی کابینہ میں اقلیتی وزراء کو شامل کیا۔ قائداعظم نے مہاجروں کی آبادکاری جیسا بڑا کام جی جان سے کیا اور پاکستان کی رگوں میں توانا لہو شامل کرنے کی جستجو میں شدید علیل ہو گئے، انہیں زیارت سے کراچی لے جایا گیا، ائرپورٹ سے گھر جاتے ہوئے راستے میں ایمبولینس خراب ہو گئی، ایک گھنٹہ دوسری ایمبولینس کے انتظار نے ان کی صحت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا۔ اسی دن یعنی ۱۱ ستمبر ۱۹۴۸ء کو قائداعظم محمد علی جناح اس جہان فانی سے رخصت ہو گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

قائداعظم محمد علی جناح کی وفات کے بعد خواجہ ناظم الدین گورنر جنرل بن گئے اور لیاقت علی خان وزیراعظم کے عہدہ پر قائم رہے مگر وہ ایک اصول جسے قائداعظم نے مقرر کیا تھا اس کو ختم کر دیا اور وہ اصول تھا کہ پاکستان کے گورنر جنرل یا وزیراعظم سیاسی جماعت کا کوئی عہدہ اپنے پاس نہیں رکھے گا۔ لیاقت علی خان نے قائداعظم کی وفات کے بعد مسلم لیگ کی صدارت بھی حاصل کر لی۔ قائداعظم کی وفات کے بعد فوراً ہی آپ کے افکار و نظریات کو دفن کر کے قرارداد مقاصد نامی اسلامی سنہری چادر پاکستان کو اوڑھا دی گئی تھی۔ قرارداد مقاصد نامی دستاویز کا خمیازہ آج تک قوم بھگت رہی ہے۔ اس قرارداد مقاصد کی اقلیتوں اور مشرقی پاکستان کے لوگوں نے شدید مخالفت کی۔ پاکستان کے پہلے وزیر قانون جوگندر ناتھ منڈل جنہیں قائداعظم نے یہ عہدہ دیا تھا، انہوں نے قرارداد مقاصد کے متعلق کہا تھا کہ "یہ ایسی دستاویز ہے جس کی وجہ سے پاکستان مذہبی بنیاد پرست اور فرقہ واریت کی راہ پر چل نکلے گا" اور ان کا یہ تجزیہ درست ثابت ہوا۔ پاکستانی لیڈروں کی روش دیکھ کر جوگندر ناتھ منڈل مایوس ہو گئے اور انہوں پاکستان چھوڑ دیا۔ اور رواداری جیسا حسین پھول وطن عزیز میں مرجھاتا چلا گیا۔ قرارداد مقاصد شبیر احمد عثمانی نے پیش کی تھی، قرارداد کی منظوری کے بعد بہت سے ارکان پارلیمنٹ نے تحفظات کا اظہار کیا تھا، چودھری ظفر اللہ خان نے جب ان تحفظات کا ذکر ارباب اختیار سے کیا تو انہیں یقین دلایا گیا کہ اقلیتوں کے تحفظات کو جلد دور کر دیا جائے گا مگر کچھ بھی نہ کیا گیا۔ اس قرارداد مقاصد نے پاکستان کو "ناپاکستان" اور پاکستان کی حکومت کو "کافرانہ حکومت" کہنے والے اور جہاد کشمیر کو "حرام" قرار دینے والے مولانا مودودی صاحب اور دیگر پاکستان مخالف مولویوں کو سیاسی میدان میں پیر پسارنے کا موقع فراہم کر دیا۔ قرارداد مقاصد کو ریڈیو پاکستان پر پڑھ کر مولانا مودودی صاحب بھی جماعت اسلامی کے منشور کے خلاف اقتدار کے خواب دیکھنے لگے۔

پاکستان کا آئین بنانے پر رتی بھر بھی توجہ مرکوز نہ کی گئی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ پاکستان کے کرتا دھرتاؤں کو آئین بننے کے بعد انتخابات کروانے پڑتے اور ان نوابوں، ممدوٹوں، مخدوموں، اور وڈیروں وغیرہ کو یقین تھا کہ وہ انتخابات کے عمل سے جیت نہیں سکتے۔ وفاق نے صوبوں کے گلے میں رسی

باندھ کر انہیں محکوم بنایا گیا۔ وزراء اعلیٰ کو بار بار تبدیل کیا جاتا رہا۔ ۱۶ اکتوبر ۱۹۵۱ء کو لیاقت علی خان کو راولپنڈی میں جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے قتل کر دیا گیا تو خواجہ ناظم الدین نے وزیر اعظم کا عہدہ حاصل کر لیا۔ اور غلام محمد گورنر جنرل بن گئے۔ ۱۷ اپریل ۱۹۵۳ء کو غلام محمد نے خواجہ ناظ الدین کو برطرف کر کے محمد علی بوگرہ کو وزیر اعظم بنا دیا۔ ۲۴ اکتوبر ۱۹۵۴ء کو غلام محمد دستور ساز اسمبلی کو برطرف کر دیا اور جسٹس کیانی نے اس اقدام کو نظریہ ضرورت کے تحت درست قرار دے کر نظریہ ضرورت کی اصطلاح متعارف کروا دی۔ ۱۱ اگست ۱۹۵۵ء کو محمد علی بوگرہ گھر بھیج دیے گئے اور چوہدری محمد علی وزیر اعظم بن گئے۔ چوہدری محمد علی ۱۳ ماہ تک وزیر اعظم رہے ان کی حکومت کے دوران غلام محمد کا استعفیٰ اور ۲۳ مارچ ۱۹۵۶ء کو پہلے آئین کی تشکیل ہوئی۔ اس آئین کے تحت چوہدری محمد علی نے وزیر اعظم اور میجر جنرل اسکندر مرزا نے صدر پاکستان کا حلف اٹھایا۔ چوہدری محمد علی کے استعفیٰ کے بعد حسین شہید سہروردی وزیر اعظم بن گئے۔ ۱۷ اکتوبر ۱۹۵۷ء کو حسین شہید سہروردی مستعفی ہو گئے۔ اور اسماعیل چندریگر ۵۹ دن کے لیے وزیر اعظم بن گئے۔ اور اگلے ایک برس کے لیے فیروز خان نون وزیر اعظم بن گئے۔ مسلم لیگ اور دیگر دس سیاسی جماعتوں کی حکومت ۱۱ برس تک رہی۔ ۲۳ مارچ ۱۹۵۶ء کو بننے والے آئین کو ۱۹۵۸ء میں اسکندر مرزا نے منسوخ کر دیا۔ مسلم لیگ و دیگر سیاسی جماعتوں کی حکومت کا خاتمہ ۷ اکتوبر ۱۹۵۸ء کو اسکندر مرزا نے مارشل لاء لگا کر کیا تھا۔ اس نے ایوب خان کو چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر مقرر کیا۔ اور ایوب خان نے اسی دن اسکندر مرزا کو استعفیٰ دینے پر مجبور کر دیا۔ سیاسی جماعتوں کی گیارہ برس کی کارکردگی نہایت مایوس کن رہی۔ سیاسی اکھاڑ پچھاڑ نے عوام کا جینا حرام کیے رکھا تھا۔ اسلام اور سیکولر نظریات رکھنے والے تمام حکمران یہ فیصلہ نہ کر سکے کہ نظام حکومت کیسے چلایا جائے۔ ہاں ان کا ایک کارنامہ ایسا تھا جس کے نتائج قوم آج تک بھگت رہی ہے وہ تھا ان مولویوں کو عزت دینا جنھوں نے پاکستان بننے کی پرزور مخالفت کی تھی۔ ۱۹۵۳ء کے فسادات نے وطن عزیز کو مکمل طور پر سیدھے راستے سے پرخار ٹیڑھے میڑھے راستوں پر ڈال دیا تھا۔

کہا جاتا ہے کہ ایوب خان کا دور سنہری دور تھا۔ اگر بغور دیکھا جائے تو یہ بات غلط بھی نہیں لگتی ۱۹۶۲ء میں ایوب خان نے نیا آئین منظور کروایا اور پھر اس آئین سے خطرے کی بو سونگھ کر عام انتخابات سے پہلے صدارتی الیکشن کروانے کی شق آئین میں ڈلوائی حالانکہ صدر کا انتخاب منتخب پارلیمنٹ نے کرنا ہوتا ہے۔ بہر حال پہلے صدارتی انتخاب کا اعلان کر دیا گیا، ایوب کے مقابلہ کے لیے مولانا بھاشانی، مولانا مودودی اور جنرل اعظم و دیگر کے نام بھی موجود تھے مگر ان سب میں سے اہم امیدوار مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح تھیں۔ ایوب خان نے صدر بننے کی خواہش کے نام پر جس طرح کا محترمہ سے سلوک کیا وہ تاریخ کا حصہ ہے، شاید اقتدار کی جنگ میں سب جائز ہوتا ہے۔ ایوب خان کی محترمہ فاطمہ جناح سے مخاصمت کی وجہ سامنے آتی ہے مگر مولانا بھاشانی اور مولانا مودودی اور دیگر مخالفین کا محترمہ کا الیکشن لڑنے کو غیر اسلامی قرار دینے کی سمجھ نہیں آتی۔ ان مولانا حضرات نے جس طرح قائد اعظم اور پاکستان کی مخالفت میں ایڑھی چوٹی کا زور لگایا تھا وہ اس روش کو انہوں محترمہ فاطمہ جناح کے خلاف بھی جاری رکھا۔ بہر حال ایوب خان ۴۹۶۴۷ ووٹ لے کر صدر بن گئے۔ محترمہ فاطمہ جناح کو ۲۸۳۴۵ ووٹ ملے۔

۱۹۶۵ء کی جنگ بھی اہم واقع تھا، ایک وقت اس جنگ کے دوران ایسا بھی آیا کہ کشمیر فتح ہو جاتا مگر جنرل ایوب نے عین وقت پر جبکہ شیر پاکستان جنرل اختر ملک اپنے ساتھیوں کے ساتھ مقبوضہ کشمیر میں داخل ہونے کے لیے پر تول رہے تھے، انہیں واپس بلا کر نالائق جنرل یحییٰ خان کو بھیج دیا اور پھر چراغوں میں روشنی نہ رہی۔

۱۹۶۹ء میں پاکستان کے گلی کوچے ایوب مردہ باد، ایوب کتا ہائے ہائے کے نعرے گونجنے لگے اور دوسری طرف بھٹو آ گیا میدان میں اور ہے جمالو گاتے ہوئے بھنگڑے ڈال رہے تھے۔ اور ایوب دور کا خاتمہ ہو گیا۔ ۲۵ مارچ ۱۹۶۹ء کو جنرل یحییٰ خان ۱۹۶۲ء کے آئین کو منسوخ کر کے اور مارشل لاء نافذ کر کے پاکستان کے کرتا دھرتا بن گئے۔ ۷ دسمبر ۱۹۷۰ء کو یحییٰ حکومت نے عام انتخابات کا انعقاد کیا۔ شیخ مجیب الرحمان کی پارٹی عوامی لیگ نے ۱۶۰ قومی اسمبلی کی سیٹیں حاصل کیں اور ذوالفقار علی بھٹو کی پارٹی پاکستان پیپلز پارٹی نے

۸۱ نشستیں جیتیں۔۔شیخ مجیب الرحمان نے قومی اسمبلی کا اجلاس بلانے کا مطالبہ کیا جس پر جنرل یحییٰ خان نے اجلاس بلانے سے گریز کیا ادھر مشرقی پاکستان میں گوریلا حملے شروع ہوگئے ان گوریلوں کو انڈیا تربیت دے رہا تھا، جنرل ٹکا خان کو ان کی ٹھکائی کے لیے بھیجا گیا، نفرت مزید بڑھی، اور ہندوستان سے جنگ شروع ہوگئی اور بنگلا دیش بن گیا۔اور پاکستان کا وہ بازو ٹوٹ گیا جہاں پاکستان بنانے والی جماعت مسلم لیگ کی بنیاد رکھی گئی تھی، نوے ہزار پاکستانی فوجی بھارتی جنرل رسیوں کے ساتھ باندھ کر لے گیا۔تین برس بعد بھٹو کے دورحکومت میں ان جنگی قیدیوں کو بھارت سے ایسی پتلونیں پہنا کر پاکستان میں دھکیل دیا گیا جن پر x لکھا گیا تھا۔ ۱۶دسمبر ۱۹۷۱ء کو سقوط ڈھاکا، تاریخ اسلام میں اپنی نوعیت کا اس لحاظ سے انوکھا واقع تھا کہ پاکستانی فوج نے ایک ایسے جنرل (مانک شا) کی فوج کے سامنے ہتھیار ڈالے جو ایرانی النسل پارسی تھا۔ پاکستانی فوج کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے تین لاکھ بنگالی خواتین کا ریپ کیا تھا۔حمود الرحمان رپورٹ میں بہت کچھ لکھا گیا ہے۔

بنگلا دیش بن جانے کے چار روز بعد مغربی پاکستان، پاکستان بن گیا اور یحییٰ خان نے اس کی باگ ڈور بھٹو کے حوالے کر دی۔ بھٹو ۲۰ دسمبر ۱۹۷۱ء کو صدر مملکت اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹر بن گئے، اور بھٹو اپنی دانست میں پاکستان کے سیاہ وسفید کے مالک بن گئے۔ بھٹو نے ۱۹۷۳ء نے آئین پاکستان بنوایا اور جو قرارداد مقاصد ۶۲ء کے آئین میں موجود تھی اسے بھی اس آئین کا حصہ بنایا۔ نیا آئین ۱۴ اگست ۱۹۷۳ء کو نافذ کیا گیا، آئین کے مطابق بھٹو وزیر اعظم بن گئے اور فضل الٰہی چوہدری صدر مملکت بن گئے۔ ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء بھٹو حکومت نے مولویوں کو خوش کرنے اور اگلے انتخابات بھاری اکثریت سے جیتنے کے خیال سے احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے کر تاریخ اسلامی میں ایک نئی مثال پیدا کر دی۔ مولوی حضرات سوائے اس غیر اسلامی کام کے بھٹو کے تمام اقدامات کو برا قرار دیتے ہیں۔ مولوی حضرات بھٹو کو بے دین کہتے تھے۔ عام انتخابات سے پہلے ۹ مذہبی سیاسی جماعتوں نے اتحاد کر لیا جسے پاکستان قومی اتحاد کا نام دیا گیا، بھٹو حکومت نے مارچ ۱۹۷۷ء میں عام انتخابات کروائے۔ نام نہاد نوستارے بری طرح الیکشن ہار گئے۔ بھٹو کی پارٹی نے قومی اسمبلی کی ۱۵۶ نشستیں جیت لیں اور قومی اتحاد کو ۳۶ نشستیں ملیں، نوستاروں نے اس بدترین شکست کو دھاندلی کا شاخسانہ قرار دے کر دوبارہ الیکشن کا مطالبہ کر دیا۔جب نوستاروں کو ان کے مطالبہ کا پورا ہونا دور دور تک دکھائی نہ دیا تو انہوں نے ملک میں نظام مصطفیٰ کے نفاذ کے لیے ملک گیر تحریک کا آغاز کر دیا۔ مذہبی سیاسی لیڈروں سے بھٹو نے حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے مذاکرات شروع کر دیے۔اس سے پہلے کہ کسی سمجھوتے پر مذاکرات پہنچتے، ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو جنرل ضیاء الحق نے بھٹو کو گرفتار کر کے اسمبلیاں توڑ دیں اور ملک میں مارشل لاء نافذ کر دیا۔اور پاکستان کی سیاہ بختی کا آغاز ہوا۔جس طرح بھٹو نے قوم کو روٹی، کپڑا اور مکان کا نعرہ لگا کر بے وقوف بنایا تھا اسی طرح بدترین آمر ضیاء الحق نے اسلام کا نعرہ لگا کر مولویوں کو قوم کے سر پر بٹھا کر بداخلاقی کی ایک نئی قسم ایجاد کر دی۔مگر اسلام تو قوم کو نہ ملا مگر ہیروئن، کلاشنکوف، فرقہ واریت اور عسکری ٹریننگ سنٹروں نے پاکستانی عوام کو زندہ لاشوں میں تبدیل کر دیا ایسی قوم بنا دیا جس میں سوچنے سمجھنے کی کوئی صلاحیت باقی نہ بچی ہو۔اپنے اقتدار کو مظبوط کرنے کے لیے ڈکٹیٹر نے بھٹو کو قتل کے کیس میں پھانسی دے دی۔ ڈکٹیٹر نے افغانستان کی جنگ میں امریکا سے رقم لے کر امریکی ہتھیاروں سے روس سے جنگ کی۔اس جنگ کی وجہ سے لاکھوں پاکستانی مر چکے ہیں اور نجانے کتنے اور مریں گے۔ ڈکٹیٹر نے ۱۹۸۴ء میں ریفرنڈم کروایا اور اسلام کا دوسرا نام ضیاء ہوگیا۔ اسلام کے حق میں ووٹ ڈالنا ضیاء کو صدر تسلیم کرنا تھا۔ ریفرنڈم کے ووٹ کا متین درج ذیل تھا:۔

”کیا آپ اسلام چاہتے ہیں؟۔۔۔اگر آپ اسلام چاہتے ہیں تو آئندہ ۵ سال کے لیے ضیاء الحق صدر ہوں گے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔
۔۔۔۔۔۔۔ہاں۔۔۔۔۔۔۔نہیں۔“

مجید نظامی صاحب نے ضیاء الحق کے دورحکومت کے متعلق کہا تھا:۔

”وہ (ضیاء الحق) اسلام کے نام پر ”اقتدار“ پر قابض ہوئے تھے۔اسلام تو نافذ نہ ہو سکا البتہ سرکاری افسروں نے اپنے دفاتر میں مصلے بچھائے اور بغیر وضو کے نمازیں ٹکائیں۔“

اور جناب مولانا مفتی محمود صاحب نے کہا تھا کہ:۔

''جنرل فضل حق میرے ملنے والے ہیں۔ کہنے لگے کہ جنرل صاحب (ضیاء الحق) آپ کے گھر آنا چاہتے ہیں۔ میں نے جواب دیا میں جنرل ضیاء الحق سے نہیں ملنا چاہتا۔ انھوں نے مجھ سے ہی نہیں پوری قوم سے وعدہ خلافی کی ہے۔ فضل حق کہنے لگے کہ دیکھیے مولانا صاحب، جنرل صاحب اسلام اور اسلامی نظام کی بات تو کرتے ہیں۔ وہ پانچ وقت کے نمازی ہیں اور روزہ بھی رکھتے ہیں۔ جبکہ پہلے حکمران اسلام کا ذکر بھی نہیں کرتے تھے۔ میں نے کہا ہاں یہ درست ہے کہ جنرل ضیاء الحق نماز پڑھتے ہیں۔ لیکن صورت حال یہ ہے کہ ساری قوم کو گٹر میں پھینک دیا ہے اور ڈھکنا بند کر کے اس پر کھڑے ہو کر اللہ اکبر کہہ کر نماز کی نیت باندھ لی ہے۔ آپ درست کہتے ہیں کہ جنرل ضیاء الحق نماز پڑھتے ہیں لیکن یہ ہے جنرل ضیاء الحق کی نماز کہ اس نے قوم کو دھوکا دیا ہے۔''

(بحوالہ۔ درویش سیاست دان از سعید انور قدوائی صفحہ ۴۰)

معزز قارئین! جنرل ضیاء الحق نے گیارہ برس تک اسلام کو پاکستان کے سینے پر اتار کر رکھا تھا کہ وہ زخمی ہو گیا، اور بعد میں ناسوروں میں تبدیل ہو گیا ہے، انہیں ناسوروں سے تمام اخلاقی اور معاشرتی تعفن زدہ برائیاں ٹپک رہی ہیں اور فرقہ واریت کا رسنے والا زہر انسانوں کو ہلاک کر رہا ہے۔

۲۶ مئی 1984ء کو جنرل ضیاء کے آرڈیننس کے بعد پاکستان میں احمدیوں کو خود کو مسلمان کہلانے یا کسی بھی ایسی چیز کے استعمال سے روک دیا گیا جس سے وہ مسلمان ظاہر ہوں۔ یعنی شعائر اسلام اختیار کرنے پر تین برس قید یا توہین مذہب کے الزام میں موت کی سزا دی جا سکے گی۔ یہ سیاہ بختی بھی جنرل صاحب کے حصے میں آئی تھی کہ فرقہ واریت بڑھ گئی۔

جنرل ضیاء الحق نے ۱۹۸۱ء میں ملک میں نام نہاد علماء پر مشتمل مجلس شوریٰ بنا کر حک ہنسی کروائی۔ ۱۹۸۵ء میں آمر نے غیر جماعتی الیکشن کروائے جس کی کوکھ سے محمد خان جونیجو وزیر اعظم کی صورت میں برآمد ہوئے۔ محمد خان جونیجو جیسے شریف آدمی نے جرنیلوں سمیت افسر شاہی کو رگڑا لگانے کی کوشش کی مگر اس سے پہلے جنرل صاحب نے ۲۹ مئی ۱۹۸۸ء کو انہیں فارغ کر دیا۔ شاید اس شریف جونیجو کی آہیں جنرل صاحب کو مٹی کا ڈھیر بنانے کو بے تاب تھیں، جونیجو کی برطرفی کے تین ماہ بعد یعنی ۱۷ اگست ۱۹۸۸ء کو یہ بدنام آمر طیارہ حادثے میں جل کر خاک ہو گیا۔

آمر کی ہلاکت کے بعد غلام اسحاق صدر بن گئے۔ ۱۶ نومبر ۱۹۸۸ء کو منعقد ہونے والے انتخابات کے نتیجے میں محترمہ بے نظیر بھٹو پاکستان کی پہلی خاتون وزیر اعظم بن گئیں۔ دو برس بعد ان کی حکومت کو صدر اسحاق نے کرپشن کا الزام لگا کر برطرف کر دیا۔ ۲۴ اکتوبر ۱۹۹۰ء کے انتخابات کے نتیجے میں جنرل ضیاء الحق کے سیاسی فرزند نواز شریف وزیر اعظم بن گئے۔ صدر غلام اسحاق اور نواز شریف کے درمیاں بدگمانی حائل ہو گئی یا چپقلش پیدا ہو گئی اور صدر نے ۱۸ اپریل کو نواز شریف کو برطرف کر دیا۔ نواز شریف کو عدلیہ نے بحال کر دیا مگر فوج کی مداخلت پر نواز شریف اور صدر دونوں نے ۱۹ جولائی ۱۹۹۳ء کو اپنے عہدوں سے استعفیٰ دے دیا۔

۱۹۹۳ء میں بے نظیر صاحبہ وزیر اعظم بن گئیں۔ پیپلز پارٹی نے فاروق لغاری کو صدر بنوایا۔ ۵ نومبر ۱۹۹۶ء کو فاروق لغاری نے کرپشن کا الزام لگا بے نظیر صاحبہ کو برطرف کر دیا۔ اور معراج خالد کو نگران وزیر اعظم مقرر کر دیا۔ ۱۹۹۷ء میں ہونے والے انتخابات میں دوبارہ نواز شریف وزیر اعظم بن گئے۔ ۱۲ اکتوبر ۱۹۹۹ء کو جنرل پرویز مشرف نے نواز شریف کو برطرف کر کے طیارہ کیس میں جیل بھیج دیا، بعد میں سعودیہ کے کہنے پر جلا وطن کر دیا۔ اور خود چیف ایگزیکٹو بن گئے۔ مشرف دور میں ظفر اللہ جمالی، شوکت عزیز اور شجاعت حسین کٹھ پتلی وزیر اعظم بنے تھے۔ نو برس بعد ۲۰۰۸ء میں بے نظیر کو قتل کیے جانے کے بعد آصف زرداری صدر اور یوسف گیلانی وزیر اعظم بن گئے۔ کچھ دیر پرویز اشرف بھی وزیر اعظم بنے تھے ۲۰۱۳ء کے الیکشن کے بعد نواز شریف تیسری بار وزیر اعظم بن گئے مگر تین برس بعد سزا یافتہ مجرم بنا دیے گئے اور خاقان عباسی وزیر اعظم بن گئے۔ ۲۰۱۸ء کے انتخابات کے نتیجہ میں عمران خان وزیر اعظم بنا دیے گئے، نواز شریف کو جیل سے نکال کر لندن بھیج دیا گیا۔

(انشاء اللہ اگلے شمارہ میں مزید بات ہوگی)

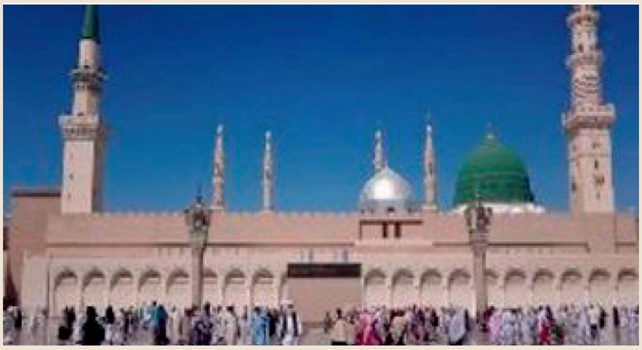

"مدینہ منورہ"

قسط 2

(محبوب آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا محبوب شہر)

تحریر و تحقیق: سیّد حسن خان۔لندن

گزشتہ شمارہ میں مسجد جمعہ کے ذکر پر مضمون کا اختتام ہوا تھا۔ مدینہ منورہ میں موجود مساجد کا مزید حصہ پیشِ خدمت ہے۔

مسجد اجابہ (مسجد بنو معاویہ) یہ مسجد نبوی کے شمال مشرق میں 580 میٹر کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہ بنو امیہ کے محلّہ میں عہد نبوی میں تعمیر ہوئی۔ گذشتہ صدیوں میں متعدد بار اس کی تجدید و توسیع ہوتی رہی۔ آخری توسیع سعودی حکمران شاہ فہد کے زمانہ میں ہوئی۔

مسجد ابوذر (مسجد السجدہ) یہ مسجد نبوی کے شمال کی سمت میں 900 میٹر کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہ مسجد السجدہ اور مسجد الشکر سے بھی معروف ہے۔ مگر اس وقت یہ مسجد ابوذر کے نام سے مشہور ہے۔

مسجد میقاتیہ مسجد: مسجد نبوی سے تقریباً 12 کلومیٹر کے دوری پر واقع ہے۔ اس مسجد کی پہلی تعمیر حضرت عمر بن عبدالعزیز نے 712ء میں کی۔ آخری توسیع شاہ فہد کے دور میں ہوئی۔ اس مسجد میں ملحق غسل خانہ، وضو کرنے اور احرام باندھنے کی سہولیات میسر ہیں۔

مسجد قبلتین: یہ بھی ایک تاریخی مسجد ہے جو قبیلہ بنو سلمہ خزرجی کے علاقہ میں تھی۔ اس کا فاصلہ مسجد نبوی سے بجانب شمال مغرب 5 کلومیٹر ہے۔ اس مسجد کی وجہ تسمیہ کی ایک روایت ہے کہ اس مسجد میں جبکہ آنحضرت ﷺ بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز ادا فرما رہے تھے تو آپؐ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے قبلہ کی تحویل کا حکم ہوا تو آپؐ نے خانہ کعبہ کی طرف رُخ بدل فرمایا۔ اس مسجد کی تجدید متعدد بار ہوئی۔ اس مسجد میں ایک حصہ خواتین کیلئے خاص ہے جس کا رقبہ 400 مربع میٹر ہے۔ بیشک یہ مسجد بہت حسین و جمیل ہے۔۔۔ اس مسجد کے اندر باقائدہ سمت بھی لکھی ہوئی ہے کہ پہلے کس طرف قبلہ تھا۔ جو کہ خانہ کعبہ کی بالکل پچھلی طرف ہے۔

مسجد رایہ: یہ چھوٹی سی مسجد ذباب پہاڑی کے اوپر بنائی گئی ہے۔ روایت ہے کہ غزوہ خندق کے موقع پر آنحضرت ﷺ کیلئے خیمہ یہاں پر نصب کیا گیا تھا۔ یہ مسجد حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور میں 712ء میں تعمیر ہوئی۔ اس کا رقبہ صرف 61 میٹر ہے اور اونچائی 5 میٹر ہے۔

مسجد غمامہ (مصلی) ایک روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عید کی نماز یہاں ادا فرمائی تھی۔ اس مسجد کی تجدید متعدد بار ہوئی۔ عثمانی فرمانروا سلطان عبدالمجید نے 1275 ہجری اور 1858ء میں اس کی تعمیر نو کی اور ابھی تک یہ اسی حالت میں ہے۔

مسجد ابوبکر صدیقؓ: یہ مسجد نبوی کے جنوب مغرب میں 100 میٹر کی دوری پر واقع ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ اس جگہ پر آنحضرت ﷺ نے عید کی نماز ادا فرمائی تھی۔ آپؐ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی عید کی نماز ادا کی۔ جس کی وجہ سے اس مسجد کا نام مسجد ابوبکر صدیق ہے۔

مسجد عمر بن خطابؓ: اس مسجد کی تعمیر شمس الدین محمد بن احمد السلاوی نے 1446ء میں کرائی۔ اس مسجد کی تجدید کا کام عثمان فرمانروا عبدالمجید اوّل نے 1849ء میں کروایا۔ اس کی تعمیر پتھروں سے کی گئی ہے۔

مسجد علی بن ابی طالبؓ: یہ مسجد نبوی کے شمال مغرب میں تقریباً 300 میٹر کی دوری پر واقع ہے۔ روایت ہے کہ اس جگہ پر بھی آنحضرت ﷺ نے نماز عید پڑھائی تھی۔ اور حضرت علی بن ابی طالبؓ نے بھی یہاں نماز عید پڑھائی۔ سب سے پہلے اس مسجد کی تعمیر حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عہد مبارک 712 ہجری میں ہوئی۔ اس کی بھی متعدد بار تجدید ہوئی۔

مساجد فتح

سلع پہاڑ کی مغرب سمت میں مختلف ناموں کی چھوٹی چھوٹی 6 مساجد ہیں۔ پہلے اس کا نام مسجد فتح (یا مساجد فتح) تھا مگر اس وقت یہ ''مساجد سبعہ'' (سات مساجد) کے نام سے معروف ہے۔ ان میں سے مشہور مسجد فتح ہے۔ جہاں پر جنگِ خندق کے موقع پر آنحضرت ﷺ کا خیمہ لگایا گیا تھا۔ اور آپؐ نے تین دن تک اسی جگہ پر کامیابی کی دعائیں فرمائی تھیں۔ اس کے ساتھ ساتھ بقیہ مساجد تھوڑی تھوڑی دوری پر واقع ہیں۔ مگر ان سب مساجد کے قریب ایک بڑی مسجد تعمیر کی گئی ہے جس کا نام مسجد خندق رکھا گیا ہے۔

چند مشہور مقامات

جرف: یہ مقام مدینہ منورہ کے شمال مغرب میں واقع ہے۔ اور مسجد نبوی سے تقریباً 7 کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے۔ نہر وادی عقیق یہیں سے گزرتی ہے۔

حمراء الاسد: یہ جگہ مدینہ منورہ سے جنوب مغرب میں اور مسجد نبوی سے 16 کلو میٹر کی دوری پر واقع ہے۔ یہ جگہ اس لئے مشہور ہے کہ غزوہ احد سے فارغ ہو کر جب آپؐ کفار کے تعاقب میں تشریف لے گئے تو یہاں پر آپؐ نے پڑاؤ ڈالا اور تین دن قیام فرمایا۔

اسغابیہ: یہ مدینہ منورہ کے شمال میں پست علاقہ ہے۔ اس میں وادیاں اور چشمے ہیں۔ غابہ (جنگل) اس لئے کہا جاتا ہے۔ اس علاقہ میں آنحضرت ﷺ کی 6 ہجری میں اونٹنیاں چرائی گئیں تھیں عیینہ بن حصن فزاری شخص غطفان کے لوگوں کے ساتھ مل کر اونٹنیوں کو ہنکا کر لے گیا اور ان کی چرواہی پر معمور شخص کو قتل کر دیا۔ پتہ لگنے پر مسلمانوں نے اس کا پیچھا کیا اور جانوروں کو ان سے چھڑوالیا۔ اس واقعہ کو پھر غزوہ غابہ قرار دیا جاتا ہے۔

مدینہ منورہ کے طبعی آثار: نمبرا۔ جبل اُحد: یہ پہاڑ مسجد نبوی کے شمال میں ساڑھے چار کلومیٹر کی مسافت پر واقع ہے۔ اس کی لمبائی آٹھ کلومیٹر اور عرض دو سے تین کلومیٹر کے درمیان ہے۔ اس کی سب سے بلند چوٹی 300 میٹر ہے۔ اس پہاڑ سے مسلمانوں کو گہری عقیدت ہے۔ اس کے دامن میں مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان مشہور غزوہ احد 2 ہجری میں پیش آیا تھا۔

حضرت امام بخاری نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''احد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں''۔

نمبر۳۔ جبل عَیر: یہ پہاڑی مدینہ منورہ کے جنوب مغرب میں واقع ہے۔ مسجد نبوی سے اس کا فاصلہ آٹھ کلومیٹر ہے، اس کا طول دو ہزار میٹر اور عرض 70 میٹر۔ اس کا اوپر کا حصہ ہموار ہے اس لئے اس کو گدھے کی پشت سے تشبیہً عیر کہا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کو مدینہ کی حد قرار دیا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مدینہ عَیر اور ثور کے درمیان حرم ہے۔

نمبر۴۔ جبل سلع: یہ پہاڑ مسجد نبوی کے مغرب میں 5 کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے۔ اس کا طول ایک ہزار میٹر اور عرض تین سو سے آٹھ سو میٹر کے درمیان ہے۔ اس کی بلندی 80 میٹر ہے۔ اس کی بعض چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں مشرق اور مغربی جانب پھیلی ہوئی ہیں۔ اس پہاڑ کے مغربی دامن میں غزوہ خندق کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے خیمہ نصب فرمایا تھا نیز اس پہاڑ کے دامن میں صحابہ کرامؓ کے بھی خیمے نصب تھے۔

مدینہ منورہ کی وادیاں

نمبرا۔ وادی بطحان: یہ مدینہ منورہ کی سب سے بڑی وادی ہے۔ یہ چھوٹی چھوٹی نالیوں سے ملکر ایک بڑی وادی کی شکل میں تبدیل ہوئی ہے جن میں سے بعض نالیاں درجہ ذیل ہیں:۔

وادیٔ رانوناء: یہ وادی مدینہ منورہ کے شمال میں ایک پہاڑ کی گھاٹی سے شروع ہوتی ہے اور شمال کا رُخ اختیار کرتی ہوئی محلّہ قباء اور اس کے باغوں میں سے گزرتی ہوئی قربان علاقے سے ہو کر مغرب میں وادی بطحان کے نالے میں جا گرجاتی ہے۔ اس طرح وادی بطحان کا جُزو بن جاتی ہے۔ مسجد قباء سے شمال میں 900 میٹر کی دوری پر اس کا محلِ وقوع ہے۔ وادی رانوناء کی نالی بھی موجود ہے تاہم اس کے بعض حصے ختم ہو چکے ہیں۔

وادی قناۃ (الشظا): یہ بھی مدینہ منورہ کی بڑی وادیوں میں سے ایک ہے۔ مدینہ منورہ کے شمال مشرق سے یہ مدینہ میں آتی ہے اور احد پہاڑ کے جنوب سے مغرب کو ہوتی ہوئی تھوڑی سی شمال کو مُڑ کر مجمع اسیال (زعابہ) کے مقام پر وادی عقیق بن جاتی ہے۔ تاریخی کتب میں مذکور ہے کہ جب 1926ء میں مدینہ منورہ کی

شمالی پہاڑیوں میں آتش فشاں لاوہ اُبلا تھا تو اس وادی کا رُخ مدینہ منورہ کی بجائے شمال کی جانب ہوگیا تھا۔اس لئے اس کے بہاؤ کی جگہ پر آتش فشاں پہاڑوں کے پتھر جمع ہوگئے ہیں جس کی وجہ سے اس کے بہنے کا رُخ تبدیل ہوگیا۔اور اس کے خلف میں ایک بڑا تالاب بن گیا جو چند سال تک باقی رہا۔پھر عاقول کے علاقے میں ایک دیوار بنادی گئی جس کے بعد سے پانی کی خاصی مقدار یہاں جمع ہوجاتی ہے اور بارش کا پانی یہاں کئی ماہ تک ٹھہرا رہتا ہے۔

مدینہ منورہ کے علمی وثقافتی اور فلاحی ادارے

مدینہ منورہ میں کئی علمی وثقافتی ادارے ہیں۔جن کی خدمات اہل مدینہ کو حاصل ہیں۔اور ان کا فیض دنیا کے گوشہ گوشہ تک پہنچتا ہے۔جن میں چند درجہ ذیل ہیں۔

نمبر۱۔ مرکز سے مدینہ منورہ سے متعلق ایک عظیم کتب خانہ تیار کیا ہے جس میں وہ سب کتب جمع کی گئیں ہیں جو اس شہر مبارک کے متعلق ہیں۔

نمبر۲۔ مدینہ منورہ سے متعلق تمام معلومات کا سوفٹ ویئر تیار کیا گیا ہے۔

نمبر۳۔ مدینہ منورہ سے متعلق معلومات حاصل کرنے کیلئے عربی اور انگلش دونوں زبانوں میں سوفٹ ویئر تیار کی گئی ہے ایڈریس ہے۔ al-madina.org

نمبر۴۔ مدینہ منورہ کے متعلق تقریباً 33 کتب شائع کی جاچکی ہیں۔

نمبر۵۔ مرکز سے ایسی وڈیو فلمیں اور سی ڈیز CD اور پروگرام تیار کئے گئے ہیں جو اس مبارک شہر کے متعلق معلومات فراہم کی جاتی ہیں۔

نمبر۶۔ عثمانی دور کی دستاویزات جو مدینہ منورہ کے متعلق تھیں سب کمپیوٹر میں محفوظ کردی گئی ہیں۔جن کی تعداد ایک لاکھ کے قریب ہے۔

نمبر۷۔ مدینہ منورہ کے ایسے نقشے تیار کرائے ہیں جن سے مدینہ منورہ کے ماضی کے مختلف ادوار کا ایک خاکہ سامنے آجاتا ہے۔

نمبر۸۔ عثمانی دور کے وثائق اور دستاویزات کو جو مدینہ منورہ سے متعلق تھیں کمپیوٹر میں محفوظ کردیا گیا ہے۔جن کی تعداد ایک لاکھ کے قریب ہے۔

علاوہ ازیں اس علمی وثقافتی ادارے نے مندرجہ ذیل فلاحی کام سرانجام دیئے ہیں:۔**نمبر۱۔شاہ فہد قرآن کریم پرنٹنگ پریس:** یہ پریس قرآن کریم کی مختلف قراء ات کا جائزہ لیتا ہے نیز قرآن کریم کی طباعت اور نگرانی کرتا ہے۔اس ادارے کی سالانہ پروڈکشن تقریباً ایک کروڑ تیس لاکھ قرآن کریم کے نسخے ہیں اس کے علاوہ قرآن مجید کے نسخہ جات کی پرنٹنگ کیلئے پریس اور جلد سازی وغیرہ سب شامل ہیں۔

شاہ عبدالعزیز لائبریری: مسجد نبوی کے مغرب میں صحن کے ساتھ ہی یہ لائبریری ہے۔جس کا افتتاح 1983ء میں ہوا۔اس میں مختلف علوم وفنون کی کتب ہیں جن کی تعداد 25,000 ہے اور جدید کتابیں بھی اس میں ہیں جن کی تعداد 58132 کے لگ بھگ ہے۔اس لائبریری میں قرآن کریم کے پرانے نسخے 1095ء سے تیرھویں صدی کے آخر تک کے نسخہ جات اس میں موجود ہیں۔اس لائبریری کے کھلنے کے اوقات صبح ساڑھے سات بجے سے اڑھائی بجے تک اور شام چار بجے سے رات دس بجے تک ہیں۔اس میں خواتین کیلئے علیحدہ خاص جگہ کی گئی ہے۔**مسجد نبوی کا کتب خانہ** یہ کتب خانہ مسجد نبوی کے اندر ہے۔اس میں کئی ریڈنگ رومز ہیں۔یہ لائبریری ساڑھے سات بجے صبح سے عشاء کے بعد تک کھلتی ہے۔

اقتصادی معلومات کا شہر: یہ ایک شاندار ترقیاتی منصوبہ ہے جس پر فی الفور کام جاری ہے جو کہ مسجد نبوی کے مشرق میں 5 کلومیٹر کے فاصلہ پر بنایا جارہا ہے جس میں جدید اقتصادی اور سائنسی ادارے شامل ہونگے، مثلاً یونیوسٹیاں، انسٹیچوٹس نئے طرز کے سکول ترمیتی مراکز، ، ہسپتال، دفاتر، دقیق سائنسی آلات کے لئے صنعتی کیمپلکس وغیرہ۔اسی طرح اس میں جدید رہائشی محلے، سبز میدان، پارک، کھیل کے میدان، عجائب گھر اور بڑے بڑے تجارتی مراکز بھی ہونگے۔اس اقتصادی معلوماتی شہر کو ٹرین کے ذریعہ مسجد نبوی سے جوڑ دیا جائے گا۔جس سے مکہ مکرمہ اور جدہ آنے جانے کی آسانی ہوگی۔جس سے مقامی اور زائرین مستفید ہونگے۔

مدینہ منورہ کے معلمین کا مقامی ادارہ: یہ معلمین کی مقامی تنظیم ہے جو اُن افراد پر مشتمل ہے جن کے اباواجداد نے ماضی میں حجاج کرام کی خدمت کی ہو۔ان میں صرف وہ لوگ شامل ہیں جو دیندار اور علم وسنجیدگی سے متصف ہوں۔

اس ادارہ کی ایک انتظامی کمیٹی ہے جو انتظامات اور حجاج کرام سے متعلق امور کو ترسیب دیتی ہے اور حج کے تعاون اور ان کی سرپرستی میں مدد کرتی ہے۔جن میں حجاج کرام کی رہائش، ٹرانسپورٹ، مواصلات اور ان کے استقبال ورخصت سے متعلق امور کی نگرانی کے ساتھ ساتھ ان کی صحت، ادویات، علاج معالجہ اور وفات پاجانے پر ان کی تدفین وغیرہ سے متعلق ذمہ داری بھی ادا کرتی ہے۔اس ادارہ کا نام (خدمت الحاج شرف و امانة و مسئووليه) ہے۔

(بقایا اگلے شمارہ میں ملاحظہ فرمائیں)

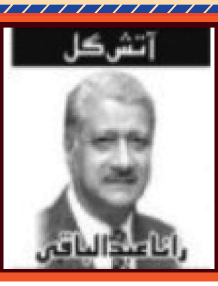

حامد میر کی (رسوائی)

تحریر و تحقیق: رانا عبدالباقی (کالم آتش گل)

حامد میر کا شمار پاکستان کے اُن معدودے چند متنازع سینئر صحافیوں میں ہوتا ہے جن کی تحریریں پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ وہ صحافیوں کے اُس گروپ سے تعلق رکھتے ہیں جو تاریخی حقائق کو اصول اور اخلاقی کردار کی پختگی سے بیان کرنے کے بجائے ڈِس انفارمیشن پر مبنی گمراہ کن اطلاعات سے عوام کے ذہنوں کو پراگندہ کرنے میں مہارات رکھتے ہیں۔ بانیان پاکستان کے حوالے سے اُن کی تحریروں پر روزنامہ جنگ ہی کے سینئر کالم نگار جناب ڈاکٹر صفدر محمود اپنے کالم صبح بخیر میں تاریخی مغالطے کے عنوان سے بانیانِ پاکستان کی ہرزا سرائی اور تاریخ کو مسخ کرنے پر حامد میر کی کافی سرزنش کر چکے ہیں۔ اُن کا کہنا تھا کہ کیا مملکت خداداد کے شہریوں کیلئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اپنی تحریروں میں بانیانِ پاکستان کی حرمت کو محسوس کرتے ہوئے مناسب عزت و احترام کو ملحوظِ خاطر رکھیں؟ لیکن حامد میر کیلئے اپنے مخصوص مفادات کے سامنے اچھائی کی آواز اہمیت نہیں رکھتی اور وہ بانیانِ پاکستان کے حوالے سے تاریخ کو مسلسل مسخ کرنے میں مصروف نظر آتے ہیں جس کا اظہار اُن کے حالیہ کالموں رسوائی اور نیا متبادل میں بھی بدرجہ اُتم محسوس ہوتا ہے۔ درحقیقت پاکستانی صحافت بظاہر دو گروپوں میں تقسیم ہو کر رہ گئی ہے ایک وہ جو قومی مفادات کو پس پشت ڈالتے ہوئے مخصوص ذاتی مفادات کو مہمیز دینے کیلئے زرد صحافت میں قوی یقین رکھتے ہیں اور دیکھتے ہی دیکھتے سیاسی کرپشن مافیا کے کندھے پر سوار ہو کر اشرافیہ کی صفوں میں شامل ہو چکے ہیں جبکہ دوسری جانب قومی فکر رکھنے والے وہ بے لوث صحافی ہیں جو کہتے ہیں کہ صحافیوں کو قومی مفادات کو ملحوظ رکھتے ہوئے غیر قانونی مالی مفادات اور سہولتیں لینے سے گریز کرنا چاہیے تاکہ صحافت کی عظمت قائم و دائم رہے۔

روزنامہ جنگ میں حامد میر کی شائع ہونے والی ایک حالیہ تحریر "رسوائی" میں اُنہوں نے جس منفی مہارت سے وزیر اعظم عمران خان کی جماعت تحریک انصاف کو مورد الزام ٹھہرانے کیلئے مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح مرحومہ جو معاشرے کے تمام طبقوں کیلئے عزت و احترام کا باعث ہیں کے حوالے سے خود ساختہ الزامات گھڑنے سے بھی گریز نہیں کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ " ہم مادر ملت کیساتھ کھڑے تھے اور کھڑے ہیں چونکہ وہ بابائے قوم کی ترجمان تھیں۔ ہم خود کو اپنی نظروں میں رسوا نہیں کرنا چاہتے " جبکہ اِس دعویٰ کے برعکس حامد میر بابائے قوم کی ہرزا سرائی میں بھی پیش پیش نظر آتے ہیں۔ مادر ملت 1967 میں اِس جہان فانی سے رخصت ہو چکی ہیں تو سوال یہی ہے کہ موجودہ سیاسی منظر نامے میں کیا محترمہ فاطمہ جناح کے حوالے سے کوئی ایشو موجود ہے یا بلا سوچے سمجھے اُن کی ذات کو موضوعِ سخن بنایا جا رہا ہے؟ حامد میر کہانی کو ہوا دینے کیلئے قائداعظم یونیورسٹی کے ایک بے نامی اُستاد کے شکوہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حکمران جماعت کے حامیوں کی جانب سے سماجی میڈیا پر مادر ملت کی تضحیک کی جا رہی ہے جس کی کوئی مثال نہیں دی گئی ہے۔ اپنی گمراہ کن اطلاعات کو آگے بڑھاتے ہوئے وہ صدر ایوب خان کے پوتے کو زرد صحافت کے حوالے سے مشق ستم بناتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تحریک انصاف والوں کا ایک مسئلہ اُن کے وزیر عمر ایوب خان ہیں جو جنرل ایوب خان (فیلڈ مارشل) کے پوتے ہیں لہذا تحریک انصاف کے کچھ حامی عمر ایوب کی محبت میں فاطمہ جناح پر تنقید میں کوئی حرج نہیں سمجھتے۔ حیرت کی بات ہے کہ عمر ایوب خان کے حوالے سے ایسی کوئی ایکٹیوٹی سماجی میڈیا پر دیکھنے میں نہیں آئی ہے البتہ کچھ لکی ٹروجن ہارس (چھپ کر کاروائی کرنے والے لوگ) سماجی میڈیا کی مادر پدر آزاد سہولتوں سے فائدہ اُٹھانے کیلئے ضرور متحرک ہیں چنانچہ حامد میر کی درج بالا گمراہ کن اطلاعات کا اگر باریک بینی سے جائزہ لیا جائے تو حیران کن حقائق سامنے آتے ہیں کہ پاکستان کے موجودہ سیاسی منظر نامے میں مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح کے حوالے سے کوئی سیاسی ایشو موجود نہیں ہے جسے پیدا کرنے کیلئے حامد میر ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔ عمر ایوب خان ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوان ہیں اور جب سے سیاست میں آئے ہیں چاہے وہ ق لیگ یا ن لیگ اور تحریک انصاف میں رہے ہیں محترمہ فاطمہ جناح کے حوالے سے اُن کا کوئی متنازع بیان ریکارڈ پر موجود نہیں ہے۔

1970 میں عمر ایوب کی پیدائش کے وقت ایوب خان ملکی سیاست سے ریٹائرڈ اور 1974 میں دنیائے فانی سے رخصت ہو چکے تھے۔ یہ درست ہے کہ محترمہ فاطمہ جناح نے صدر ایوب خان کے مقابلے میں 1962 کے بنیادی جمہوریتوں کے آئین تحت جس کے انتخابی کالج میں پاکستان کے دونوں حصوں سے تقریباً اَسی ہزار ووٹ تھے حصہ لیا تھا لیکن یہ اب ماضی کا حصہ ہے۔ حامد میر ایک کاغذی شیر کی طرح یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ محترمہ فاطمہ جناح کے ساتھ کھڑے تھے اور کھڑے ہیں لیکن یہ محض عوام کو گمراہ کرنے والی بات ہے۔ حامد میر کے والد وارث میر کا جو مادر ملت کے الیکشن کے موقع پر پنجاب یونیورسٹی کے طالب علم تھے اور 1965 میں ہی یونیورسٹی میں لیکچرر کے طور پر ملازم ہوئے تھے مادر ملت کے الیکشن کے دوران اُنکی حمایت کرنے یا حمایت میں کالم لکھنے کا کوئی ریکارڈ موجود نہیں ہے۔ حامد میر کا یہ دعویٰ کہ اگر جنرل ایوب خان دھاندلی سے محترمہ فاطمہ جناح کو شکست نہ دیتا تو پاکستان کبھی نہ ٹوٹتا سیاق و سباق اور مستند شہادت کے بغیر محض سیاسی موشگافی کی حیثیت ہی رکھتا ہے کیونکہ مشرقی پاکستان کی علیحدگی میں صدر ایوب خان کو اقتدار سے علیحدہ کرنے کے بعد جنرل یحییٰ خان کی جانب سے 1956 اور 1962 کے آئین میں سابق مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان پیریٹی کے اصول کے خاتمے کے علاوہ جناب ذوالفقار علی بھٹو اور شیخ مجیب الرحمٰن کی سیاسی شدت پسندی کا زیادہ دخل تھا۔ جہاں تک مادر ملت کے صدارتی انتخاب میں شکست کا تعلق ہے اُس کی بہت سی سیاسی وجوہات ہیں۔ راقم 1964 میں گارڈن کالج راولپنڈی میں بی اے کا طالب علم تھا اور 1956 کا آئین دینے والے سابق وزیر اعظم چوہدری محمد علی کی جماعت نظام اسلام پارٹی کی جانب سے راولپنڈی میں متحدہ اپوزیشن

کی مجلس عاملہ کے رکن کی حیثیت سے مادرملت کی انتخابی مہم میں دامے درمے سخنے شریک تھا جبکہ متحدہ اپوزیشن کی فکری نشستوں میں یہی سوال اہمیت رکھتا تھا کہ بی ڈی ممبران کے انتخابی کالج میں حکمران جماعت کنونشن لیگ کی اکثریت کی موجودگی میں کس طرح کامیابی حاصل کی جاسکتی ہے؟ چنانچہ اِسی صورتحال کے پیشِ نظر جب لیاقت باغ میں محترمہ فاطمہ جناح کو راولپنڈی کے شہریوں کی جانب سے پیش کئے گئے سپاسنامہ میں آنسوؤں کا نذرانہ پیش کرنے کی بات کی گئی تو مادرملت نے اپنی تقریر میں برہمی کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا کہ وہ قوم کو فکرِ قائداعظم کے حوالے سے جگانے کیلئے میدان عمل میں آئی ہیں اور اُنہیں آنسوؤں کے نذرانے کی نہیں بلکہ عوام کے ووٹوں کی ضرورت ہے تاکہ وہ عوامی جمہوریت کو بحال کرکے اقتدار عوام کے نمائندوں کو واپس کرسکیں۔

درحقیقت سابق مشرقی اور مغربی پاکستان میں تقریباً 80 ہزار ووٹوں پر مشتمل بی ڈی ممبروں کے صدارتی انتخابی کالج میں حکومتی جماعت کنونشن مسلم لیگ کو واضح برتری حاصل تھی لیکن محترمہ فاطمہ جناح کی بھرپور الیکشن مہم کے باعث اُنہیں کراچی، ڈھاکہ اور چٹاگانگ میں برتری حاصل رہی جبکہ دیگر علاقوں میں ایوب خان کو برتری حاصل رہی۔ گوکہ انتخابات میں دھاندلی کا الزام لگایا جاتا ہے لیکن حقیقت یہی ہے مسلم لیگ کونسل اور جماعت اسلامی کی بھرپور حمایت کے سبب مادرملت کو کراچی میں کامیابی ہوئی جبکہ ایوب خان کی کابینہ کے اہم ممبر ذوالفقار علی بھٹو نے اندرون سندھ اور بلوچستان میں صدر ایوب خان کی کامیابی میں اہم کردار ادا کیا۔ ڈھاکہ اور چٹاگانگ میں مسلم لیگ کونسل نے بہاری آبادیوں اور مولانا بھاشانی کی زبردست حمایت سے کامیابی حاصل کی جبکہ شیخ مجیب الرحمٰن کی عوامی لیگ نے کوئی موثر کردار ادا نہیں کیا۔ سابق صوبہ سرحد میں نیشنل عوامی پارٹی اور جمعیت علمائے اسلام کے مولانا مفتی محمود نے متحدہ اپوزیشن کا حصہ ہونے کے باوجود مادرملت کی کامیابی کیلئے قرار واقعی کردار ادا نہیں کیا جبکہ پنجاب میں کنونشن مسلم لیگ کی برتری کو محسوس کرتے ہوئے متحدہ اپوزیشن کی کچھ بی ڈی ممبران بھی آخری وقت پر متحدہ اپوزیشن سے اپنی وفاداری کو قائم نہیں رکھ سکے۔ انتخاب میں مادرملت کی ناکامی میں متحدہ اپوزیشن میں شامل نیشنل عوامی پارٹی، عوامی لیگ اور جمعیت علمائے اسلام کی جانب سے مکمل صوبائی خودمختاری اور مشرقی و مغربی پاکستان کیلئے علیحدہ علیحدہ معاشی نظام کے مطالبات کے علاوہ بیشتر مذہبی شخصیتوں کی جانب سے عورت کے ملک کا سربراہ ہونے کے مخالفانہ پروپیگنڈے نے بھی منفی اثر ڈالا۔ البتہ جماعت اسلامی کے سربراہ مولانا مودودی کی جانب سے واضح احکامات کے بعد کہ ملک میں جمہوریت کی بحالی کیلئے مادرملت کی حمایت کی جائیگی کے بعد کراچی کی صورتحال میں واضح تبدلی آئی تھی۔ اِس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ مادرملت کے انتخابی جلسوں میں مشرقی و مغربی پاکستان میں جس بھرپور انداز سے عوام نے شرکت کی اُس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اگر انتخابی کالج بی ڈی ممبران کے بجائے بالغ رائے دہی کی بنیاد پر ہوتا تو مادرملت کو یہ انتخاب جیتنے سے کوئی نہیں روک سکتا تھا۔

درج بالا تناظر میں حامد میر کا فرمانا کہ اگر جنرل ایوب خان دھاندلی کے ذریعے محترمہ فاطمہ جناح کو شکست نہ دیتا تو پاکستان کبھی نہیں ٹوٹتا محض گمراہ کن سیاسی موشگافی کے مترادف ہے۔ اگر حامد میر پاکستان کے اتنے ہی وفادار ہیں تو اُنھوں نے پاکستانی وطن پرستی کے برخلاف وزیراعظم حسینہ واجد کی جانب سے بھارتی منظور شدہ بنگلہ دیشی حکومت کے سرکاری اجرا شدہ پاکستان مخالف متن کو تسلیم کرتے ہوئے اپریل 2013 میں بنگلہ دیش کی آزادی کیلئے بلند ترین ایوارڈ "Friends of Libration War" ڈھاکہ جاکر وصول کرنا کیوں اپنا فرضِ اوّلین سمجھا تھا جسے آنے والی نسلیں بھی معاف نہیں کریں گی۔ اِس پر طرہّ یہ کہ اپنے ایک کالم میں حکومت پاکستان سے 1971 میں مشرقی پاکستان میں مبینہ نام نہاد جنگی جرائم پر معافی مانگنے کا مطالبہ کرتے ہوئے وہ یہ بھول گئے کہ اصل جنگی جرائم تو سقوط ڈھاکہ کے دوران بھارت تربیت یافتہ مکتی باہنی کی جانب سے سابق مشرقی پاکستان میں وفادار شہریوں، بہاری پاکستانیوں اور مغربی پاکستانیوں پر ڈھائے گئے تھے جس کے ایوارڈ کو وہ بے شرمی سے وصول کرنے ڈھاکہ گئے تھے۔

قومی دانشور اور جناح و اقبال کے نظریۂ پاکستان کے حامی حامد میر کی دیدہ دلیری پر حیرت زدہ ہیں کہ وہ ایک تسلسل کیساتھ قائداعظم محمد علی جناح، لیاقت علی خان اور مادرملت محترمہ فاطمہ جناح کے بارے میں ایک تسلسل سے سیاسی ہرزہ سرائی میں مصروف ہیں لیکن اُن کو لگام دینے کے بجائے کچھ اندرونی اور بیرونی حلقوں کی جانب سے معنی خیز حوصلہ افزائی کی جارہی ہے، سوال یہی ہے کہ کیا اُنہیں بھارتی ذرائع ابلاغ کی پھیلائی ہوئی ڈِس انفارمیشن کی بنیاد پر پاکستان اور بلوچستان کے تاریخی حقائق کو مسخ کرنے کی کھلی چھٹی دے دی گئی ہے حتیٰ کہ بلوچستان کے پاکستان یں شمولیت کے حوالے سے ایک ایسے موقع پر جبکہ بھارتی وزارت خارجہ کے ترجمان بلوچستان کو نہرو اور گاندھی کا قومی ورثہ قرار دینے میں مصروف ہیں صد افسوس کہ مخصوص ذاتی مفادات کی خاطر حامد میر بلوچستان میں بیرونی اداروں کی سیاسی و تخریبی سوچ کو آگے بڑھانے میں پیش پیش نظر آتے ہیں۔ حیرت کی بات ہے کہ تاریخی حقائق کو مسخ کرتے ہوئے حامد میر، بانیٔ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح اور وزیراعظم لیاقت علی خان کو بلوچستان کے سیاسی معاملات سے بے خبری کا مرتکب قرار دیتے ہوئے اپنی تحریروں میں بلوچستان کی نئی تاریخ مرتب کرنیکی کوششیں کرتے رہے ہیں جسے بلوچ لبریشن آرمی کے بلوچ منحرف اور بھارتی ایجنسیاں تواتر سے بین الاقوامی فورمز پر دلیل کے طور پر استعمال کررہے ہیں "جاگو جاگو آواز اُٹھاؤ" کالم میں حامد میر نے بلوچستان کی تاریخ کو مسخ کرنے کی کوشش کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "1947 میں بلوچستان کے کچھ علاقوں میں ریفرنڈم ہوا۔ ریفرنڈم میں پوچھا گیا کہ آپ پاکستان میں شامل ہونا چاہتے ہیں یا ہندوستان میں۔ ریفرنڈم میں ووٹ ڈالنے کا حق شاہی جرگہ اور کوئٹہ میونسپلٹی کے ارکان کو تھا۔ نواب اکبر بگٹی سمیت اکثریت نے پاکستان کے حق میں ووٹ دیا لیکن ریاست قلات کی طرف سے آزادی کا اعلان کردیا گیا۔ قلات کی منتخب اسمبلی کے ارکان کی اکثریت پاکستان سے فوری الحاق کیلئے تیار نہیں تھی خان آف قلات کی قائداعظم سے پرانی نیازمندی تھی، قائداعظم نے اُنہیں مشورہ دیا کہ وہ اپنی ریاست کو پاکستان میں شامل کردیں تو دونوں کا فائدہ ہوگا۔ دوسری طرف بیوروکریسی اور انگریز فوجی کمانڈر، وزیراعظم لیاقت علی خان اور اُن کی کابینہ کو گمراہ کررہے تھے۔ قائداعظم علیل ہوچکے تھے، خان آف قلات سے اُن کا رابطہ کم ہوچکا تھا، بلوچستان کی سب سے بڑی ریاست قلات میں فوجی کاروائی کی دھمکیاں دی جارہی تھیں لہذا 27 مارچ 1948 کو خان آف قلات نے کراچی میں قلات کے پاکستان سے الحاق کی کی دستاویز پر دستخط کردیئے حالانکہ اُن کی اسمبلی اِس فیصلے کے خلاف تھی۔ کوئٹہ میں موجود انگریز افسران قائداعظم کے نام پر فیصلے کررہے تھے اور قائداعظم اکثر معاملات سے بے

خبر تھے"۔

درج بالا مضمون میں حامد میر نے بڑی باریکی سے قائداعظم کی علالت اور خان آف قلات سے کم رابطے اور بلوچستان کے معاملات سے بےخبری کی بات کرتے ہوئے ایک جانب تو ریاست قلات کی خودساختہ آزادی کے اعلان کی بات کی ہے جبکہ دوسری جانب ریاست قلات کی پاکستان سے الحاق کی بات کرتے ہوئے قلات اسمبلی کی مخالفت کو ہوا دی ہے۔ تقسیم ہند کے موقع پر بلوچستان دو حصوں پر مشتمل تھا۔ کوئٹہ، پشین، لورالائی، ژوب، سبی اور چاغی کے اضلاع برطانوی بلوچستان کہلاتا تھا جبکہ قلات، خاران، مکران اور لس بیلہ کی ریاستیں برطانوی عملداری میں کام کرتی تھیں۔ برطانوی وائسرائے ہند کی جانب سے 3 جون کے تقسیم ہند کے اعلان کے بعد برطانوی بلوچستان کا بھارت اور پاکستان میں شمولیت کے حوالے سے فیصلہ ریفرنڈم کے ذریعے قبائلی شاہی جرگہ اور کوئٹہ میونسپلٹی کے ممبران نے کرنا تھا جبکہ برطانوی عملداری میں موجود ریاستیں اپنی تہذیبی اور علاقائی حقیقتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے پاکستان یا بھارت میں شرکت کر سکتی تھیں لیکن اُنہیں آزادی کی اجازت نہیں تھی۔ قائداعظم بلوچستان کی صورتحال سے لمحہ بہ لمحہ باخبر تھے۔ حامد میر عوام کو گمراہ کرنے کیلئے قائداعظم کی بیخبری اور علالت کی بات کرتے ہیں جبکہ قائداعظم 20 مارچ 1948 سے مشرقی پاکستان میں زبان کے حوالے سے بھارتی تخریب کاری کے توڑ کیلئے اہم دورے پر تھے لیکن مشرقی پاکستان جانے سے قبل 21 فروری 1948 کو قائداعظم نے سبی کا دورہ کیا لیکن خان آف قلات نے سبی دربار میں بیماری کی وجہ سے شرکت نہیں کی۔ ریاست خاران، مکران اور لس بیلہ کے نوابین پاکستان سے الحاق کیلئے قائداعظم سے دو مرتبہ ملاقاتیں کر چکے تھے لیکن قائداعظم چاہتے کہ اِن ریاستوں کا الحاق ایک ساتھ کیا جائے۔ اسی مقصد کیلئے قائداعظم نے مشرقی پاکستان جانے سے قبل سبی کا دورہ کیا تھا لیکن خان آف قلات کے نہ آنے کے باعث اُنہوں نے بقایا تینوں ریاستوں خاران، مکران اور لس بیلہ کے نوابین کو پاکستان کیساتھ الحاق کی اجازت دے دی چنانچہ قلات کیلئے برطانوی بلوچستان اور بحری پٹی کے درمیان لینڈ لاک ہو جانے کے باعث آزاد ہونے یا بھارت کیساتھ الحاق کرنے کا آپشن ختم ہو گیا تھا۔ قائداعظم کے مشرقی پاکستان کے دورے کے دوران جب بھارت نے قائداعظم کی توجہ بظاہر مشرقی پاکستان کے مقامی مسائل سے ہٹانے کیلئے 27 مارچ 1948 کو بھارتی ریاستی امور کے سیکریٹری وی پی مینن نے آل انڈیا ریڈیو کے ایک نشریہ میں یہ دعویٰ کیا کہ خان آف قلات اپنی ریاست کا الحاق ہندوستان سے کرنے چاہتے ہیں جس کیلئے بھارت تیار ہے تو ریاست خاران، مکران اور لس بیلہ کے پاکستان سے الحاق کے بعد آل انڈیا ریڈیو پر اس بیانیہ کی خان آف قلات نے فوری طور پر تردید کی اور گورنر جنرل قائداعظم محمد علی جناح کے نام ایک خط میں 27 مارچ 1948 کی تاریخ میں اپنے دستخط کیساتھ پاکستان میں شمولیت کا اعلان کیا جسے قائداعظم نے مشرقی پاکستان سے واپسی پر الحاق کی اِس دستاویز پر دستخط کر کے قلات کی پاکستان میں شمولیت کو ممکن بنا دیا۔ دراصل قائداعظم کی اِس کامیاب حکمت کامیابی یعنی بلوچستان کی ساحلی پٹی کی ریاستوں کے پاکستان میں شامل ہونے پر خان آف قلات نے بھی رضاکارانہ طور پر پاکستان سے الحاق کی دستاویز پر دستخط کر دیئے۔

اندریں حالات، حامد میر صاحب کو قائداعظم کی ذات پر حامد میر صاحب کو قائداعظم کی ذات پر علالت کی آڑ میں بےخبری کا الزام لگانے سے قبل اِس اَمر پر ہی غور کر لینا چاہئیے تھا کہ قائداعظم پاکستان کی خدمت میں آخری دم تک پیش پیش رہے۔ فروری 1948 میں اُنہوں نے دو مرتبہ بلوچستان کا دورہ کیا۔ 20 تا 28 مارچ 1948 وہ ڈھاکہ اور چٹاگانگ میں جلسہ ہائے عام کے علاوہ طلباء اور شیڈولڈ کاسٹ کے اجتماعات سے خطاب کرتے رہے جبکہ 20 اپریل 1948 کو اُنہوں نے پشاور کے عظیم جلسہ عام سے خطاب کیا جس میں تین لاکھوں افراد کے علاوہ 35 ہزار قبائلی رضاکاروں نے بھی شرکت کی تو پاکستان کی خدمت میں اُن کی علالت کہاں آڑے آئی؟ اِسی طرح انگریز فوجی کمانڈر یا جنرل گریسی کی جانب سے لیاقت علی خان کی کابینہ کو گمراہ کرنے کے دعوے کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اسی طرح حامد میر نے گڑھے مردے اُکھاڑنے کے مصداق گزشتہ روز اپنے نئے کالم "نیا متبادل" میں بڑی باریکی سے قائد ملت نوابزادہ لیاقت علی خان کو بے جا تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے تحریک انصاف کی لیڈرشپ کی تبدیلی کیلئے یہ کہتے ہوئے کہ "بڑے لوگوں کی یہ غلط فہمی بڑی جلدی دور ہو جائے گی جو سمجھنے لگے ہیں کہ میرا کوئی متبادل نہیں ہے" عوام الناس کو گمراہ کن نوید دینے کی کوشش کی ہے۔ اسی گمراہ کن نوید کو آگے بڑھاتے ہوئے اُنہوں نے قومی احتساب کی کوششوں کا مذاق اُڑاتے ہوئے قائد ملت نوابزادہ لیاقت علی خان کی ہرزا سرائی کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "پاکستان کے پہلے وزیراعظم لیاقت علی خان کو قائداعظم کی کی وفات کے بعد سیاستدانوں کے احتساب کا شوق چڑایا اور اُنہوں نے 14 اگست 1949 کو عوامی نمائندوں کی نااہلی کا ایک قانون نافذ کیا جو پروڈا کہلایا۔ اِس قانون کے ذریعے اُنہوں نے پنجاب کے وزیراعلیٰ افتخار ممدوٹ، سندھ کے وزیراعلیٰ پیر الٰہی بخش اور تحریک پاکستان میں اہم کردار ادا کرنے والے حسین شہید سہروردی کے خلاف مختلف مقدمات قائم کر دیئے۔ درحقیقت پروڈا کا قانون قائداعظم کی 11 اگست اور 14 اگست کی تقاریر کی روشنی میں حکومتی اداروں سے رشوت ستانی، کرپشن، اقربہ پروری، جان بوجھ کر کی گئی بدنظمی وغیرہ کو دور کرنے کیلئے بنایا گیا تھا۔ پروڈا کے تحت تمام تر اختیارات گورنر جنرل کی ذاتی صوابدید کو حاصل تھے اور وزیراعظم لیاقت علی خان یا اُن کی کابینہ کو کسی اقدام کی اجازت نہیں تھی۔ چنانچہ حامد میر کی شہید لیاقت علی خان کے خلاف یہ الزامات بھی ہرزا سرائی کے زمرے میں آتے ہیں۔ اِس اَمر کو بھی نظرانداز نہیں جانا چاہیے کہ اِس قانون کے تحت سماعت کا اختیار دو یا دو سے زیادہ ہائی کورٹ کے ججوں کا حاصل تھا۔ حامد میر تاریخ کو مسخ کرنے کی عادت چھوڑ دیں کیونکہ اِس طرح کے قانون کی ضرورت آج بھی محسوس کی جا رہی ہے۔

حامد میر کا یہ کہنا غلط ہے کہ نواب اکبر بگتی نے پاکستان کے حق میں ووٹ دیا۔ اکبر بگتی اُس وقت برطانیہ میں موجود تھے جبکہ اُن کے چچا جمال بگتی نے اُن کی جگہ پاکستان کے حق میں ووٹ دیا۔ حامد میر اِس سے قبل بھی متعدد مرتبہ اپنے کالموں میں قائداعظم محمد علی جناح، لیاقت علی خان اور دیگر سیاسی شخصیات کو ڈِس انفارمیشن کا نشانہ بناتے رہے ہیں اور اب اِس کی زد میں وزیراعظم عمران خان بھی آ گئے ہیں جو کرپشن مافیا کے احتساب میں کسی کمپرومائز کے قائل نہیں ہیں۔ **وقت آ گیا ہے کہ حامد میر کی بانیانِ پاکستان کی ہرزا سرائی اور پاکستان کی سلامتی کے خلاف بیرونی ایجنسیوں کی حمایت یافتہ مہم جوئی کو لگام دی جائے۔** اللہ ہمارا حافظ و ناصر ہو۔

مظلوم غالبؔ !!

(ڈاکٹر طارق احمد مرزا۔آسٹریلیا)

ایک تو دنیا بھر کی مظلومیت پتہ نہیں علامہ اقبالؔ کے حصہ میں ہی کیوں ڈال دی گئی ہے، علمی ادبی اور سیاسی وقومی حوالہ سے ظلم کے بارہ میں جو کتاب دیکھو اقبالؔ پر لکھی نظر آئے گی۔راقم کی نظر میں تو "ہیں اور بھی دنیا میں مظلوم بہت اچھے"، اور ان میں سرفہرست یعنی سب سے زیادہ مظلوم اسداللہ خان غالبؔ ہیں۔

کوئی دن نہیں جاتا جب ستم گروں کی اس دنیا میں غالب کے پرزے نہیں اڑائے جاتے اور کوئی تماشہ بھی نہیں ہوتا۔غالب پر ایک بڑا ظلم جو حال ہی میں ہوا وہ یہ ہے کہ پوری پاکستانی قوم (جن میں "پاکستانی نژاد" غیر ملکی پاکستانی بھی شامل ہیں) غالبؔ اور ان پر ڈھائے گئے مظالم کو بھلا کر کچھ ایسے فضول سے مسائل کو ایشو بنا کر انہیں الجھانے یا سلجھانے میں ایسی مصروف رہی (اور اب تک ہے) کہ دسمبر 2019ء میں غالبؔ کا ایک سو پچاسواں یوم وفات آیا بھی اور گزر بھی گیا اور کسی کو کانوں کان خبر تک نہ ہوئی۔خبر کیا ہونا اب تو اس پر بھی ایک مزید سال ختم ہونے کو ہے۔

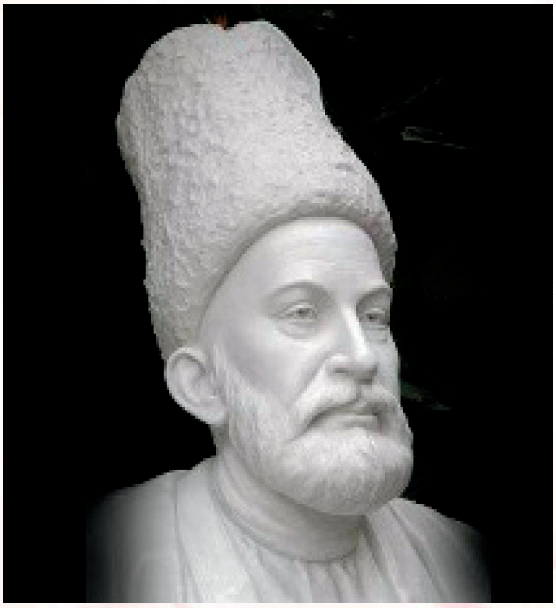

اسد اللہ خان غالبؔ وفات فروری 1869

غالبؔ کے ایک سو پچاویں یوم وفات پر بھارت اور پاکستان کے نام نہاد "غالب شناسوں" نے دونوں ملکوں کے مابین کوئی "غالبؔ کاریڈور" کھولنے کا بھی مطالبہ نہ کیا، غالباً انہیں ڈر تھا کہ مزعومہ پاکستانی بریلوی ریاست مدینہ کے "انصار" دس ۱۲ کروڑ بھارتی مسلمان "مہاجرین" کے ساتھ مواخات "قائم کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس کریں گے۔ پاکستانی حکومت کے عمائدین ایک بھارتی پولیس کمشنر کے اس قسم کے مبینہ بیان پر تشویش کا اظہار بھی کر چکے ہیں۔یہی باتیں ہیں جن کی بنا پر مدینہ سے باہر کسی مزعومہ ریاستِ مدینہ کی "ر" بھی اب تک نہیں بنائی جا سکی۔کیونکہ ریاست مدینہ کی ابتدا تو مہاجرین کی آبادکاری اور مواخات سے ہوئی تھی۔ کیا ہمارے خودساختہ امیر المومنین اور ان کے چاہنے والے کروڑوں پاکستانی کروڑوں بھارتی مسلمانوں کو اپنے گھروں میں پناہ دینے پر آمادہ ہوں گے؟۔

آمدم برسر مطلب، جو واقعہ اس تحریر کے معرضِ وجود میں آنے کا سب سے بڑا محرک بنا تھا وہ یہ تھا کہ ایک ٹی وی چینل پر پاکستان کے ایک وفاقی وزیر کا، جنہوں نے اللہ کو جان دینی ہے، ایک انتہائی بھونڈے انداز سے اور بے تکے وقت پر ایک شعر پڑھنا تھا۔شعر کی ٹانگیں توڑنے کے ساتھ ساتھ بڑا ستم یہ کیا کہ اس شعر کو غالبؔ سے منسوب کر دیا۔موصوف نے اس پر ہی بس نہیں کی، ستم بالائے ستم، ثم بالائے ستم یہ بھی کیا کہ غالب کو اپنا "چچا" قرار دے دیا۔جہاں تک راقم کی معلومات کا تعلق ہے غالبؔ نے عدالت میں خود کو "آدھا مسلمان" تو ضرور تسلیم کیا لیکن اپنی وفات تک کسی عدالت تو کیا ماورائے عدالت بھی اپنے آفریدی پٹھان ہونے کا اعتراف نہیں کیا، نہ ہی اس کا امکان ظاہر کیا۔آپ شہہ کے مصاحب تو ضرور تھے اور اس پر اترایا بھی کرتے تھے لیکن شہہ کے کسی مصاحب کے چچا نہیں تھے۔

کوئی کہہ سکتا ہے کہ اگر غالب شہہ کے کسی مصاحب کے چچا نہیں، تو ماموں تو ضرور تھے لیکن یہ بھی تاریخی اعتبار سے درست نہیں۔زین العابدین خان عارف، جنہیں غالبؔ نے اپنے سات بچوں کی بے وقت وفات کے بعد اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیا تھا، اور ذاتی سفارش کروا کر شہہ کا مصاحب بھی بنوایا تھا، وہ آپ کے نہیں بلکہ آپ کی اہلیہ محترمہ کے بھانجے یا بھتیجے تھے۔

بہر حال ان گنہگار کانوں، اور کانوں سے زیادہ گنہگار آنکھوں، نے موصوف وزیر صاحب کے ہاتھوں دن دیہاڑے غالب پر یہ "لائیو سٹریم" ظلم ہوتا دیکھا تو قریب تھا کہ اس جسمِ ناتواں کی متعدد شریانیں بلند ہوتے فشار خون سے پھٹ پڑتیں لیکن بھلا ہوا کہ یاد آ گیا کہ وزیر موصوف نے اللہ کو جان دینی ہے، دینے دیں، کہنے

دیں۔اور پھر یہ بھی یاد آیا کہ قصور غالبؔ کے اس جعلی بھتیجے" کا نہیں،سوشل میڈیا،فیس بک وغیرہ پر غالب کے کتنے ہی خودساختہ بھتیجوں اور بھتیجیوں نے بھی یہی ایک شعر (علاوہ اور کئی جعلی شعروں کے) غالبؔ سے منسوب کر کے عام کیا ہوا ہے کہ

عمر بھر غالب یہی غلطی کرتا رہا
دھول چہرے پہ تھی اور وہ آئینہ دھوتا رہا

شعر ویسے ہی بے وزن اور بے بحر ہے،اوپر سے وزیر صاحب موصوف (جنہوں نے پورا شعر تو نہیں محض اس کا مصرعہ ثانی پڑھا) "آئینہ دھوتا رہا" کی بجائے بار بار "آئینہ ملتا رہا" کہتے رہے۔اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ ان کا ایک سیاسی شکار ایک نا قابل ضمانت کیس میں ضمانت پر رہا ہو گیا اور وزیر صاحب ہاتھ ملتے رہ گئے ہیں۔اب انہیں اپنے دامن پہ لگے اس بڑے داغ کو مل مل کر دھونا ابھی باقی ہے۔

یہی نہیں،انٹرنیٹ پہ موجود بعض پورے پورے مضامین بھی غالب سے منسوب اس شعر کی تشریح اور تفسیر پہ مشتمل اس تمہید کے ساتھ شائع شدہ مل جائیں گے کہ غالب نفسیات کی باریکیوں پہ نظر رکھتے تھے،اصلاح معاشرہ چاہتے تھے،جیسا کہ انہوں نے اس شعر میں فرمایا ہے۔۔۔۔۔۔وغیرہ!۔

قارئین کرام!اس میں کوئی شک نہیں کہ غالب نفسیات کی باریکیوں پہ نظر رکھتے تھے،اصلاح معاشرہ چاہتے تھے۔۔۔۔۔وغیرہ!۔لیکن صد معذرت کہ مذکورہ شعر غالبؔ کا ہے ہی نہیں!۔

اس قسم کے مضمون نگار عموماً "توجہ دلاؤ نوٹس" پر جلد ناراض بھی ہو جاتے ہیں اس لیئے انہیں پڑھ کر ہم ہنس دیئے ہم چپ رہے۔حالانکہ غالب پر روا رکھا جانے والا یہ اپنی نوعیت کا ایک نیا ظلم ہے۔اس سے قبل غالب کے اپنے اور "اصلی" اشعار کی ایسی ایسی تشریحات اور توضیحات پیش کی جاتی تھیں،جن کا علم شاید غالب کو بھی نہیں تھا،یہ تو پھر بھی قابل قبول ہو سکتا ہے لیکن غالب کی طرف ایک ایسا شعر منسوب کر کے جو ان کا تھا ہی نہیں،اس کی تشریحات کر کر کے غالب کی تعریف و توصیف بیان کرنا،اس کو بھلا کیا نام دیں ہم!۔

اس شعر کے بارہ میں راقم نے اپنی بساط کے مطابق تحقیق کی تو غالبؔ کے نہ تو کسی مروجہ دیوان میں یہ شعر دستیاب ہو سکا اور نہ ہی انکے کسی غیر متداول مجموعہ کلام میں سے برآمد ہوا۔اگر قارئین میں سے کسی کو اس شعر کی "غالب سند" کا علم ہو تو براہ کرم مطلع فرما کر عنداللہ ماجور ہوں،شاید راقم ہی غلطی خوردہ ہو۔

اس مفہوم کا حامل البتہ ایک باوزن اور بابحر (اور بامعنی) شعر ایک صاحب کی اوپن فیس بک پر ہمیں دستیاب ہوا جو مندرجہ ذیل ہے:

کس سلیقے سے متاعِ ہوش ہم کھوتے رہے
گرد چہرے پر جمی تھی آئینہ دھوتے رہے

فیس بک پر یہ شعر آثرؔ فیض آبادی صاحب نامی ایک شاعر سے منسوب کیا گیا ہے جن کے بارہ میں مزید کوئی تفصیلات معلوم نہیں ہو سکیں کہ وہ کون ہیں،ہیں بھی یا نہیں اور اگر ہیں تو کیا وہ بھی کہیں اس شعر کے حوالہ سے غالب کی طرح مظلوم تو نہیں؟اس کے بارہ میں بھی پیشوا میگزین کے توسط سے قارئین سے رہنمائی کی درخواست ہے۔

قارئین کرام مظلوم غالبؔ پر اس قسم کے ظلم ڈھانے کی روایت کوئی آج کی بات نہیں۔یہ کام تو ان کی زندگی میں ہی شروع ہو گیا تھا۔یار لوگوں نے ان کی ہی زمین میں ان جیسا ہی کلام کہہ کر (جو بہر حال ایک زرخیز دماغ رکھنے والا ہی کر سکتا ہے) ان کے نام سے شائع کرنا یا پھیلانا شروع کر دیا تھا،بلکہ بعض من چلے تو ایسا شعر بنا کر ان کے منہ پر کہتے کہ واہ واہ جناب نے یہ شعر کیا خوب کہا ہے کہ۔۔۔!،اور غالب سے خوب ڈانٹ کھاتے۔

غالب کو اس ساری بکواس کا بخوبی علم تھا،چنانچہ انہوں نے اپنی زندگی میں اپنا دیوان طبع کروایا تو اس کے دیباچہ میں لکھا کہ اس کلام سے باہر کوئی شعر مجھ سے منسوب نہ کیا جاوے۔کتاب "باقیات غالبؔ" میں وجاہت علی سندیلوی نے لکھا ہے کہ غالب کی زندگی میں منشی شیو رائن نے ایک مرتبہ ایک پوری غزل جو غالب سے منسوب کی گئی تھی،ان کے نام سے شائع کر دی تو غالب نے ان کو لکھا:

"بھائی حاشا ثم حاشا!اگر یہ غزل میری ہو تو مجھ پہ ہزار لعنت!۔اس سے آگے ایک شخص نے یہ مطلع میرے سامنے پڑھا اور کہا کہ قبلہ آپ نے کیا خوب مطلع کہا ہے۔

اسدؔ اس جفا پر بتوں سے وفا کی
میرے شیر شاباش ، رحمت خدا کی

میں نے یہی اس سے کہا کہ "اگر یہ مطلع میرا ہو تو مجھ پر لعنت!۔"

(باقیاتِ غالب۔مصنف وجاہت علی سندیلوی۔مطبوعہ دسمبر 1960۔نسیم بک ڈپو لکھنو۔صفحہ 28)۔

مصنف مزید لکھتے ہیں کہ علائی کے ایک خط میں غلط انتساب کو "مسخ کلام" بتاتے ہوئے ایک غزل کے متعلق لکھا۔"اب میں دیکھتا ہوں کہ مطلع اور چار شعر کسی نے لکھ کر۔۔۔غزل بنالی ہے۔مقطع اور ایک شعر میرا،اور پانچ شعر کسی اُلّو کے۔

جب شاعر کی زندگی میں گانے والے شاعر کے کلام کو مسخ کردیں تو کیا بعید ہے کہ شاعر متوفی کے کلام میں مطربوں نے کیا خلط کردیا ہو؟"۔(ایضاً)۔

غالب سے بڑھ کر غالب کا وفادار اور کون ہوسکتا ہے،لہٰذا مزید کسی تبصرہ کے بغیر یہیں پہ تحریر موقوف کی جاتی ہے۔اگر کسی کی دل آزاری ہوئی ہو تو معاف کر دیا جائے۔

مقصد کسی کی تحقیر یا تنقید برائے تنقید ہرگز نہیں بلکہ غالبؔ پر مسلسل جاری ظلم کو روکنے کی،اپنی سی،ناتواں سی جرآت کا شکستہ اظہار ہے۔

مجھے بہرحال یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ اگر آج غالب زندہ ہوتے تو پاکستان (ایک ایسا ملک جس کی قومی زبان اردو ہے) کے اس وفاقی وزیر کولائیو ٹی وی پر ان سے یہ شعر منسوب کرتے سن کر ایک بار پھر چلا کر کہہ اٹھتے کہ:

"اگر یہ شعر میرا ہو تو مجھ پر ہزار لعنت!"

"کسی کے باپ کا ہندوستان تھوڑی ہے"

جو آج صاحبِ مسند ہیں، کل نہیں ہوں گے
کرائے دار ہیں، ذاتی مکان تھوڑی ہے
سبھی کا خون ہے شامل یہاں کی مٹی میں
کسی کے باپ کا ہندوستان تھوڑی ہے

ان سچے اور زندہ اشعار کے خالق ہندوستان کے عظیم شاعر راحت اندوری مرحوم ہیں۔راحت اندوری جو مشاعروں کو اپنی اچھوتی اور دل موہ لینے والی شاعری اور دلکش اندازِ بیان سے لوٹنے کا ہنر خوب جانتے تھے،پچاس برس تک اہل ذوق کی ادبی پیاس کو بجھاتے رہے۔10 اگست 2020ء کو راحت اندوری صاحب کا کووڈ-19 کی جانچ کی گئی اور رپورٹ مثبت آئی،نیز وہ بندش قلب کے مرض میں بھی مبتلا تھے۔مدھیہ پردیش کے اندور کے "آربندو ہسپتال" میں داخل کیا گیا، جہاں 11 اگست 2020ء کی شام میں ان کا انتقال ہوگیا۔وفات کے وقت ان کی عمر تقریباً 70 سال تھی۔

راحت اندوری اندور میں یکم جنوری،1950ء کو ایک ٹیکسٹائل مل کے ملازم رفعت اللہ قریشی اور محترمہ مقبول النساء بیگم صاحبہ کے یہاں پیدا ہوئے۔راحت اندوری ان کی چوتھی اولاد تھے۔راحت اندوری نے ابتدائی تعلیم نوتن اسکول اندور میں حاصل کی اور اسلامیہ کریمیہ کالج اندور سے 1973ء میں اپنی بیچلر کی تعلیم مکمل کی۔اس کے بعد 1975ء میں راحت اندوری نے برکت اللہ یونیورسٹی، بھوپال سے اردو ادب میں ایم اے کیا۔1985ء میں انہوں نے مدھیہ پردیش کے مدھیہ پردیش بھوج اوپن یونیورسٹی سے اردو ادب یعنی مشاعرہ پر مقالہ لکھنے پر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

راحت اندوری نے ملازمت کا آغاز اندور کے ایک کالج میں اردو ادب پڑھانے سے کیا وہ مشاعروں میں بہت ذوق وشوق سے شرکت کرتے تھے جلد ہی وہ ملک کے مایہ ناز شاعر کے طور پر مقبول ہوگئے اور اردو لٹریچر کی ممتاز شخصیات میں ان کا شمار ھونے لگا۔ادب کے ساتھ ساتھ وہ سکول اور کالج لیول کی فٹ بال اور ہاکی ٹیم کے کیپٹن بھی رہے۔انہوں نے شعر وشاعری کا آغاز کالج دور سے ہی شروع کردیا تھا جب ان کی عمر صرف 19 برس تھی۔ان کے شعروں مین تازگی اور نیا پن شروع ہی سے تھا۔انہوں نے کئی بالی وڈ فلموں کے لیے نغمے لکھے ہیں جو مقبول اور زبان زد عام بھی ہوئے ہیں۔انہوں نے آشیاں،سر،جنم،خود دار،مرڈر،منا بھائی ایم بی بی ایس،مشن کشمیر،میناکشی،قریب اور عشق وغیرہ فلموں کے گیت لکھے تھے۔ان کی ادبی خدمات کے اعتراف کے طور پر انہیں بے شمار اعزازات سے نوازا گیا۔اور ان کو بہت سے ادبی ایوارڈ دیئے گئے۔

اردو شاعری کے حوالے سے ان کی مشہور کتب مندرجہ ذیل ہیں۔

روپ روپ، پانچواں درویش، ناراض، لمحے لمحے۔

کلام: راحت اندوری (انتخاب: پیشوا انٹرنیشنل)

یہ خاک زادے جو رہتے ہیں بے زبان پڑے   اشارہ کر دیں تو سورج زمیں پہ آن پڑے
سکوت زیست کو آمادۂ بغاوت کر   لہو اچھال کہ کچھ زندگی میں جان پڑے
کسی مکین کی آمد کے انتظار میں ہیں   مرے محلے میں خالی کئی مکان پڑے

سب کو رسوا باری باری کیا کرو   ہر موسم میں فتوے جاری کیا کرو
جب جی چاہے موت بچھا دو بستی میں   لیکن باتیں پیاری پیاری کیا کرو
روز وہی اک کوشش زندہ رہنے کی   مرنے کی بھی کچھ تیاری کیا کرو

میں نے دنیا سے مجھ سے دنیا نے   سیکڑوں بار بے وفائی کی
ٹوٹ کر ہم ملے ہیں پہلی بار   یہ شروعات ہے جدائی کی
اب کسی کی زباں نہیں کھلتی   رسم جاری ہے منہ بھرائی کی

کتنا مانوس سا ہمدردوں کا یہ درد رہا   عشق کچھ روگ نہیں تھا جو دوائی لیتے
چاند راتوں میں ہمیں ڈستا ہے دن میں سورج   شرم آتی ہے اندھیروں سے کمائی لیتے

ہمیں حقیر نہ جانو ہم اپنے نیزے سے   غزل کی آنکھ میں کاجل لگانے والے ہیں

بتوں سے مجھ کو اجازت اگر کبھی مل جائے   تو شہر بھر کے خداؤں کو بے نقاب کروں
ہے میرے چاروں طرف بھیڑ گونگے بہروں کی   کسے خطیب بناؤں کسے خطاب کروں

کئی دن سے مرے اندر کی مسجد   خدا بیزار ہوتی جا رہی ہے
مسائل ، جنگ ، خوشبو ، رنگ ، موسم   غزل اخبار ہوتی جا رہی ہے

نوجواں بیٹوں کو شہروں کے تماشے لے اڑے   گاؤں کی جھولی میں کچھ مجبور مائیں رہ گئیں
بجھ گیا وحشی کبوتر کی ہوس کا گرم خون   نرم بستر پر تڑپتی فاختائیں رہ گئیں
بادہ خانے، شاعری، نغمے، لطیفے، رتجگے   اپنے حصے میں یہی دیسی دوائیں رہ گئیں

رشتوں کی دھوپ چھاؤں سے آزاد ہو گئے   اب تو ہمیں بھی سارے سبق یاد ہو گئے
بیٹھے ہوئے ہیں قیمتی صوفوں پہ بھیڑیے   جنگل کے لوگ شہر میں آباد ہو گئے
لفظوں کے ہیر پھیر کا دھندہ بھی خوب ہے   جاہل ہمارے شہر میں استاد ہو گئے

بیر دنیا سے قبیلے سے لڑائی لیتے   ایک سچ کے لیے کس کس سے برائی لیتے

گیلی لیو۔۔۔عدالت کے کٹہرے میں!!

تحریر و تحقیق: زکریا ورک۔ٹورنٹو کینیڈا

سترھویں صدی میں جب یورپ میں عیسائیت کا غلبہ زوروں پر تھا. دو سائنسدانوں کو پاپائے روم کے حکم پر اس وجہ سے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں کیونکہ وہ مقدس بائیبل کے اس نظرے سے متفق نہ تھے کہ زمین کائنات کا مرکز ہے۔

ذرا چشم تصور کے سامنے روم شہر کا نقشہ لائیں جب 17 فروری 1600 کو ایک سائنسداں (سابقہ کیتھولک پادری) کو پبلک اسکوائر Campo de' Fiori میں برہنہ جسم خچر پر بٹھا کر زبردستی لایا گیا اور زمین میں گڑے لکڑی کے پول سے مضبوطی سے رسیوں میں جکڑ کر اس کو نذر آتش کر دیا گیا۔ اس کا قصور؟ وہ یہ دعویٰ کرتا تھا کہ ہمارے نظام شمسی کی طرح اور بھی نظام شمسی ہیں۔ کائنات لا محدود ہے اس میں ہمارے سورج کی طرح اور بھی سورج موجود ہیں۔ نیز یہ کہ زمین سورج کے گرد گھومتی ہے۔ وہ پولش سائنسداں نکولس کوپرنیکس (وفات 1543) کے نظام کائنات پر یقین رکھتا تھا۔ اس سائنسداں کا نام جیورڈانو برونو Giordano Bruno تھا۔ اس پر پوپ کی مذہبی عدالت Inquisition میں مقدمہ چلایا گیا اور کارڈینل بیلارمین Bellarmine نے فیصلہ دیا کہ اس کو زندہ نذر آتش کر دیا جائے۔ آج چار سو سال بعد اسی پبلک اسکوائر میں برونو کا دیو قامت مجسمہ موجود ہے جہاں ہر سال 17 فروری کو شہر کا میئر اس کے پاؤں پر پھولوں کی چادر چڑھاتا ہے۔ برونو کو اس کے سائنسی آئیڈیاز کی وجہ سے موت کا پیالہ پینا پڑا۔ اس کے خیالات چرچ سے میل نہ کھاتے تھے۔

برونو کے سائنسی نظریات پوپ کلیمنٹ ہشتم Pope Clement VIII کو سخت ناگوار گزرتے تھے کیونکہ ان سے بائیبل کے عقائد پر کاری ضرب لگتی تھی۔ حالانکہ برونو ایک عرصہ تک بطور پادری کے عیسائیت کا پرچار کرتا رہا تھا۔ مگر جب حقیقت اس پر آشکار ہوگئی تو اس نے اس کا برملا اظہار کر دیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس کو جیل میں پابند سلاسل کر دیا گیا جہاں وہ سات سال تک سختیاں جھیلتا رہا۔ آخر کار اس پر تین ججوں کی مذہبی عدالت میں مقدمہ چلایا گیا۔ پوپ نے اس کو ملحد و زندیق قرار دے دیا اور عدالت نے فیصلہ دیا یہ شخص سزا کا مستحق ہے مگر اس کے خون کا ایک قطرہ بھی نہ بہنا چاہئے۔ جس کا مطلب تھا ملحد کو آگ میں جلا دو۔ جب اس کے ارد گرد لکڑیوں کو آگ لگائی جانے لگی تو وہاں موجود پادریوں کو وہ یوں مخاطب ہوا: تم لوگ اس فیصلے سے زیادہ خوف زدہ ہو جتنا کہ وہ شخص جس کے خلاف یہ فیصلہ سنایا گیا ہے۔ برونو کے الفاظ حقیقت کے آئینہ دار تھے۔ فی الواقعہ روم کی اسٹیبلشمنٹ کو پرنیکس کے نظریات سے سخت خوف زدہ تھی۔ برونو کو آگ میں جلا کر انہوں نے نظریات کو ختم کرنے کی کوشش کی تھی مگر صد حیف پاپائے روم اور اس کے پیروکار یہ نہیں جانتے تھے کہ سائنس کی دنیا میں نئے نظریات کے سیلاب کو وہ اپنے فرسودہ فتاویٰ کے ذریعہ روک نہیں سکیں گے۔ انسان کو آگ میں خس و خاشاک کیا جا سکتا ہے مگر آئیڈیاز کو نہیں۔ برونو کو تو انہوں نے سپرد خاک کر دیا مگر اب اس کی جگہ جو لینے والا تھا وہ اس سے بھی زیادہ بہادر، بے خوف اور مرد قلندر تھا۔ اس کا نام تھا گیلی لیو جس کو ماڈرن سائنس کا جد امجد تسلیم کیا جاتا ہے۔

تجرباتی سائنسداں: گیلی لیو کی ولادت فروری 1564 کو اٹلی کے شہر پیسا Pisa میں ہوئی تھی جو لیننگ ٹاور کی وجہ سے دنیا بھر میں مشہور ہے۔ اس کے والد نے اس کو شہر کی یونیورسٹی میں میڈیسن کی تعلیم کے لئے داخل کرایا مگر اس کو اس میں دلچسپی نہیں تھی اس لئے وہ سارا وقت ریاضی کے لیکچر ہال کے باہر گزار دیتا تھا۔ ایک روز اس نے جیومیٹری پر لیکچر سنا جس کے بعد اس نے سائنس میں اپنا مستقبل بنانے کا عزم کر لیا۔ ابھی وہ 23 سال کا تھا کہ اس کا تقرر اسی یونیورسٹی میں ریاضی کے پروفیسر کے طور پر ہو گیا۔ اس کے والد بذات خود ریاضی کے ایک قابل ریاضی داں تھے جس کے سات بچے تھے۔ گیلی لیو سب سے بڑا بیٹا تھا۔

گیلی لیو کی پرورش مذہبی ماحول میں ہوئی۔ ایک روز وہ شہر کے کیتھڈرل میں صبح کے وقت گیا تو اس نے مشاہدہ کیا کہ کھڑکی سے آتی ہوا کے جھونکوں سے چھت سے لٹکا لیمپ ایک طرف سے دوسری طرف جھول رہا تھا۔ جوں ہی ہوا کا زور کم ہوا تو لیمپ کی گردش بھی کم ہوگئی۔ مشاہدہ کی بات یہ تھی کہ لیمپ کی سونگ چاہے لمبی تھی یا مختصر دونوں میں ایک جیسا وقت لگتا تھا اور یہ دیکھنے کے لئے کہ کتنا وقت لگتا تھا اس

نے اپنی نبض کو گھڑی کے طور پر استعمال کیا۔ اس معمولی مشاہدے سے اس نے لاء آف پنڈولم دریافت کر لیا۔ بعد میں اس نے اپنی لیبارٹری میں پتہ لگایا کہ اس پنڈولم کے کونے پر لگے وزن کا اس کی سوئنگ swing پر کوئی اثر نہیں پڑتا تھا۔ بعد میں اسی اصول پر گھڑیاں بنائی گئیں جن میں پینڈولم لگا ہوتا تھا۔ راقم نے ایسے گھڑیاں تیس سال قبل دیکھی ہوئی ہیں جن میں سے بعض ایک میں پرندے Cucoo کی گونج آتی تھی۔

جمیل وحسین چاند؟ گیلی لیو نے اپنی خود کی بنائی ٹیلی سکوپ سے چاند کے شبانہ روز اور حسابی مطالعہ کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا کہ یہ ہموار نہیں ہے بلکہ اس کی سطح پر لکیریں اور بڑے بڑے کھڈے craters ہیں، اس میں وادیاں بھی ہیں جن میں اس نے سایہ دیکھا۔ وہ پہاڑ جن کا رخ سورج کی طرف تھا وہ روشن تھے۔ اس لئے ان حقائق سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا کہ یہ جمیل وحسین چاند ہماری زمین کی طرح سورج کی روشنی سے چمکتا تھا بذات خود اس کی کوئی روشنی نہیں تھی۔ یہ تمام مشاہدات اس نے 1610 میں شائع ہونے والی کتاب Starry Messenger میں درج کر دئے۔

پھر ایک رات وہ مشتری (Jupiter) کے مشاہدہ میں مصروف تھا تو اس نے اس کے اردگرد تین چاند دیکھے بعد میں جو چار چاند نکلے اور آج کل کی تازہ تحقیق کے مطابق اس کے سولہ سٹیلا ئٹ ہیں۔ عجیب بات یہ کہ یہ چاند مشتری کے اردگرد گھوم رہے تھے۔ گیلی لیو نے جتنی تہلکہ خیز دریافتیں کیں ان میں سے مشتری کے چار چاند پر اس کو بہت ناز تھا۔ کیونکہ اس سے کوپرنیکس کے کائنات کے سسٹم کا واضح اور ٹھوس ثبوت ملتا تھا۔ اسی سال انسانی تاریخ میں اس نے پہلی بار دریافت کیا کہ نظام شمسی کے چھٹے سیارے زحل کے اردگرد چھلے ہیں Rings of Saturn۔ اس سائنسی دریافت کے بعد اس نے ایک اور دریافت کی کہ زہرہ Venus جو کہ سورج سے سب سے نزدیک ہے اس کی ہمارے چاند کی طرح مختلف منازل Phases تھیں۔ جس طرح ہم ہلال دیکھتے، پھر نصف چاند اور پھر چودھویں کا چاند بالکل اسی طرح زہرہ سیارے کی مختلف منازل تھیں۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی کہ زہرہ سورج کے گرد گھومتا تھا۔ یہ ایک اور کوپرنیکس کے نظام ہیئت کا اور ثبوت تھا۔ نیز یہ بطلیموس کے جیوسینٹرک ماڈل کی قطعی تردید تھی جس کی حمایت کیتھولک چرچ کرتا تھا۔ گیلی لیو کے نظریات ارسطو اور بطلیموس کے بہت سارے نظریات کی قطعی تردید کرتے تھے جو کیتھولک چرچ کے نظریات وعقائد پر کاری ضرب لگاتے تھے۔

یادرہے کہ گیلی لیو سے قبل اٹلی کے سائنسداں جیورڈانو برونو پھانسی پر لٹکایا گیا تھا کیونکہ اس نے دعویٰ کیا تھا کہ کائنات لامحدود ہے اور اس میں اور بھی دنیائیں پائی جاتی ہیں۔ اس کے مقدمے میں بیلارمین Father Bellarmino نے حصہ لیا تھا جیسا کہ اب وہ گیلی لیو کے مقدمے میں ملوث تھا۔

گیلی لیو کو اب تک بہت سارے اعزازات سے نوازا گیا تھا مگر حیرت کی بات یہ کہ اس کی زندگی پر 400 کتابیں شائع ہو چکی تھیں جن میں چالیس فی صد اس کی تعریف وتوصیف میں تھیں۔ ان میں 170 کتابیں اٹلی سے باہر دوسرے ممالک میں شائع ہوئی تھیں۔ 1611 میں ٹیلی سکوپ کا لفظ ایجاد ہوا، اس سے پہلے اس کو سپائی گلاس کہا جاتا تھا۔ ٹیلی سکوپ پر پہلی کتاب 1618 میں شائع ہوئی جس کا مصنف میلان کا شہری سرٹوری Sirtori تھا۔

زمین کائنات کا مرکز نہیں: جب اس نے یہ سارے شواہد اکھٹے کر لئے تو اس نے یونیورسٹی کے پروفیسروں سے کہا کہ مشتری کے چاند اور زہرہ کی منازل اس بات کی بین دلیل ہیں کہ زمین اس کائنات کا مرکز نہیں بلکہ سورج ہے۔ اس کو غصہ بہت جلد آجاتا تھا مگر ٹھنڈا بھی جلد ہو جاتا تھا۔ اس کی زبان تیز وترش تھی blunt and sarcastic۔ وہ بے باک ہونے کے ساتھ صاف گو اور تمسخر آمیز بھی تھا۔

اپنے علمیت پر اس کو بہت ناز تھا۔ اسی لئے پیڈوا یونیورسٹی میں اس کے زیادہ دوست نہیں تھے جہاں وہ اٹھارہ سال تک جیومیٹری اور اسٹرانومی کے لیکچر دیتا رہا تھا۔ اس کو ہوش منداور ہونہار طالب علم پسند تھے مگر کند ذہن طالبعلموں سے وہ سخت ناراض ہوتا تھا۔ صرف ذہین اور قابل طالب علموں کو وہ پرائیوٹ ٹیوشن دیتا تھا۔ یاد رہے کہ کوپرنیکس نے بھی اسی یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی تھی۔

Astronomer, Galileo Galilei

اس مضمون کا بقایا حصہ صفحہ 44 پر ملاحظہ فرمائیں۔

ہومیو پیتھک نُسخہ جات

برائے جلد، خارش، ایگزیما، چنبل

وَإِذَا
مَرِضْتُ
فَهُوَ يَشْفِيْنِ

جلد، خارش، ایگزیما، چنبل (3)

اگر چنبل چھوٹے چھوٹے دائروں کی شکل میں ظاہر ہو اور دانے دبے ہوئے اور بورے رنگ کے ہوں تو پلسٹیلا اچھا اثر کرتی ہے۔

اگر حکی اور زرد جلد کے ساتھ بیحد کمزوری ہو۔ اور بخار کے ساتھ پھوڑے نکلیں۔ منیگینم۔ ہر قسم کے مسے جو تھوجا کے قابو میں نہ آئیں ان میں میڈورائینم دینا ضروری ہے۔

چہرہ پر دانے نکلیں، زبان اور ہونٹ خشک ہو کر پھٹ جائیں اور زبان پیلی پیلی، سوجی ہوئی اور بالکل خشک ہو۔ میوریٹک ایسڈ۔ اُنگلیوں کے کناروں یا پاؤں کے پٹھوں کے کناروں اور اُنگلیوں کے جوڑوں پر خصوصیت کے ساتھ اُبھار پیدا ہوتے ہوں، جسم کے دوسرے حصوں پر جگہ جگہ چٹاخ سے بن جاتے ہوں اور خارش گول گول ٹکڑوں کی شکل میں نمودار ہوں۔ نیٹرم کارب

جلد پر سفید چٹاخ ہوں تو آرسینک سلف ۳۰ دن میں تین بار لینا مفید ہے۔

ہاتھ پاؤں پھٹ جاتے ہوں تو سلفر ۲۰۰ ہفتہ میں تین بار۔

اگر جلد کا رنگ مٹیالا ہو جائے اور اخراجات میں شدید بدبو کی علامت نمایاں ہوں، خون بہنے لگے اور زخموں کے کنارے اُبھرے ہوئے ہوں اور ان پر سفید سی جھلی آجاتی ہو۔ مرکری (بستر کی گرمی سے تکلیف بڑھتی ہے)

جلد سیاہ ہو کر بھیانک شکل اختیار کر لے۔ مرکری

اگر جلد پر زخم بننے لگیں جو ناسور کی شکل اختیار کر لیں اور ان کے کنارے اُبھرے ہوئے ہوں اور گنگرین بننے کا خدشہ ہو تو مرک سال کی بجائے مرک کار زیادہ مفید ہے۔ دونوں دواؤں میں فرق یہ ہوتا ہے کہ مرک سال نسبتاً نرم اور مزمن دوا ہے۔ مرک کار کی بیماریوں میں تیزی اور شدت پائی جاتی ہے۔ اور اگر بہت زیادہ پسینہ آئے تو مرکری مفید ہے اس کے علاوہ اگر شدید خارش ہو اور رِسنے والے زخم اور ناسور پیدا ہو جاتے ہوں اور عموماً پر سفید رنگ کے چٹاخ بن جائیں جو پھلبہری نہیں ہوتے تو مرکری نہایت مفید ثابت ہوتی ہے۔ زخم اور ناسور بھی سفید رنگ کے ہوتے ہیں۔

Leucoderma کے لیے مرکری نہایت مفید ہے اگر مرکری کی دوسری علامتیں موجود ہوں تو ایک ہزار طاقت میں دینا نہایت مفید ثابت ہوتا ہے۔ اس دوا کے استعمال سے پھلبہری کے تمام داغ مِٹ سکتے ہیں۔

آرسینک سلف فلیو بھی پھلبہری کے لیے نہایت مفید ہے چھوٹی طاقت سے شروع کرنی چاہیے اور بڑھاتے چلے جانا چاہیے۔ اگر یہ دوا ناکام ہو جائے تو ہائیڈروکوٹائل مندرجہ بالا طریقے پر دینی چاہیے۔

پھلبہری کے لیے سورائنم ۱۰۰۰ اور سلفر ۱۰۰۰ ملا کر ہفتہ وار اور آرسینک سلف ۳۰ روزانہ دو تین بار۔ یا یہ نسخہ مفید ثابت ہو سکتا ہے سورائنم ۲۰۰ ہفتہ وار اور ساتھ ہائیڈروکاٹائل ۳۰، آرسینک ۳۰ اور سلفر ۳۰ دن میں تین بار ملا کر۔

اگر جلد دودھیا ہو۔ کالی کارب

اگر گردن کے غدودوں میں پیپ پڑنے کا رجحان ہو تو انسولین مفید ہے۔

ہر قسم کے ایگزیما، آبلوں اور چھالوں کے لیے میلنڈرینم مفید ہے، اس دوا کے چھالے اور آبلے آہستہ آہستہ نکلتے ہیں ایک کے بعد دوسرا اور پھر ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور چھالوں کی فصلیں اُگنے لگتی ہیں۔ یہ دوا جانوروں کی جلدی بیماریوں میں بھی مفید ہے۔

اگر جِلد پر سوئیاں چُبھتی محسوس ہوں، چھپاکی نکلے اور زیادہ شور اور اعصاب پر دباؤ سے چھپاکی نکل آتی ہوں۔ میڈورائینم

چھپاکی کے لیے پلسٹیلا مفید ہے۔

شدید خارش ہو۔ کالی سلف

اگر کانوں میں اور کانوں کے پیچھے خارش ہو۔ کالی سلف (کالی سلف کے ایگزیما میں دانے اور چھالے نکلتے ہیں، جلن کا بہت احساس ہوتا ہے، جلد کا رنگ بدل کر مینڈک کی کھال کی طرح زردی مائل بے جان یا بے رنگ ہو جاتا ہے) (ایسا

عموماً جگر اور تلی کی خرابی کی وجہ سے ہوتا ہے۔خون کی کمی اور سِل کی بیماری بھی چہرہ پر زردی اور بے رونقی پیدا کر دیتی ہیں)

جلدی امراض کے علاوہ اندرونی جھلیوں کے علاج کے لیے۔ کالی سلف

جلد کے کینسر اور اندرونی جھلیوں کے کینسر کے لیے ارجنٹم نائیٹریکم ۳۰ یا ۲۰۰۔

اگر پھنسیاں اور دانے پیٹ یا کمر پر ظاہر ہوں تو سب سے پہلے کالی فاس استعمال کرنا چاہیے۔اور اگر سر کی جلد میں جلن اور خارش ہو آئرس ٹینکس ۔یہ علامت عارضی طور پر جلن کے ساتھ ہوتی ہے۔اگر معدے کی خرابی کی وجہ سے جلدی امراض پیدا ہوتے ہوں۔ آئرس ورسیکولر

اگر معدے کی خرابی کی وجہ سے ہرپیز ہو جائے۔ آئرس ورسیکولر

اگر اگیزیما میں سر کے زخموں سے زرد رنگ کا مواد خارج ہو اور چھلکے اُتریں اور اگر بدبو آئے تو میز یریم مفید ہے۔

اگر پاؤں پر گہرا ناسور ہو تو کالی آئیوڈائیڈ دینے سے غائب ہو سکتا ہے۔ (علامتیں پاٹاشیم سے ملنا چاہیئں)

اگر زخم بہت گہرے اور کنارے اُبھرے ہوئے ہوں۔ کالی بائیکروم

چہرے کی جلد اور اندرونی جھلیوں کے دِق کے لیے خدا کے فضل سے کالی بائیکروم شافی ثابت ہوتی ہے۔(گالوں کے اندرونی حصوں میں السر بننے کا رجحان بھی ہوتا ہے)

جلد کی ان بیماریوں کے لیے جو تیزی سے پھیلیں۔کالی بائیکروم (یہ دوا Pyretic Glandes کے لیے بھی مفید ہے)

اگیزیما، چھالے اور پھنسیاں نکلتی ہوں۔کالی بائیکروم (اس دوا کے استعمال کے دوران بیرونی مرہم نہیں استعمال کرنی چاہیے)

اگر جلد سے موٹے آٹے کی طرح کا خُشک مواد اُترے۔ کالی میور

بغل گند قسم کی بیماریوں کے لیے رَس گلابرا ۱۶ ایکس اور کالی فاس ۱۶ ایکس ملا کر دینا مفید ثابت ہوتا ہے۔

زخموں کے اردگرد کے کنارے گل کر متورم ہو جاتے ہوں، سیاہی مائل خون رِستا ہو، جلد سُکڑ کر سیاہی مائل ہو گئی ہو اور اس میں جُھریاں پڑ جائیں تو سیکیل کور اور لیکیسس مفید ہیں۔(لیکیسس میں مریض کا جسم ٹھنڈا اور مریض سخت سردی محسوس کرتا ہے۔جبکہ سیکیل کور کا مریض سخت سردی محسوس کرتا ہے لیکن ماؤف جگہوں پر ٹھنڈی چیز لگانے سے آرام آتا ہے) بدن پر جامنی یا سیاہی مائل داغ پڑ جاتے ہوں جو چہرے پر نمایاں دکھائی دیتے ہیں۔اگر ان علامات کا رجحان ہو تو لیکیسس وقتاً فوقتاً دیتے رہنا چاہیے۔(وہ مریض جنہیں دل کا دورہ پڑا ہو ان کے چہرے پر بھی ایسے نشان پڑ جاتے ہیں)

جلد بہت زود حِس ہو جس کی وجہ محض سردی ہو۔ لیک ڈیف

ایسا خارش والا اگیزیما جس کے ساتھ جگر کی خرابی بھی موجود ہو (کسی دوا سے ٹھیک نہ ہوتا ہو) اور پھوڑے پھنسیاں نکلنے کا رجحان ہو تو انسولین نہایت مفید ہے۔

جلد کی شدید خارش اور جلد کی سوزش اور جلد کے جلنے کے احساس کو دور کرنے کے لیے یہ نسخہ نہایت مفید ہے۔ارٹیکا ۳۰ + کیلشیم کاربونیکم ۳۰ + ڈلکامارا ۳۰ + ایپس ۳۰

مزمن جلدی بیماریوں کے لیے مندرجہ ذیل نسخہ مفید ثابت ہوتا ہے۔

ایپس ۳۰ + سلیشیا ۳۰ + ہیپر سلف ۳۰ + کیلشیم کاربونیکم ۳۰ + فاسفورس ۳۰

نوٹ ۔اگر ہیپر سلف ۲۰۰ طاقت میں ہفتہ میں دو تین بار استعمال کی جائے اور بقیہ نسخہ دن میں دو تین بار استعمال کیا جائے تو نمایاں فائدہ ہوتا ہے۔

خارش کے لئے گلونائن بھی مفید ہے۔

اگر جلد پر خطرناک ناسور ہوں اور اگر یہ ناسور بڑھ کر کینسر کی شکل اختیار کر لیں اور کوئی دوا اثر نہ کرے تو ہائیڈراسٹس کے استعمال سے ایسے خطرناک اور بڑھنے والے ناسور قابو میں آجاتے ہیں۔

اہم اعلان

پیشوا انٹرنیشنل میں ہومیوپیتھک و دیسی نسخہ جات شائع کرنے کا مقصد خدمت خلق اور قارئین کو علاج بالمثل کے فوائد سے آگاہ کرنا ہے۔کسی بھی ہومیو پیتھک نسخہ یا دیسی ٹوٹکے کو استعمال کرنے سے پہلے کسی مستند ہومیوفزیشن یا حکیم سے مشورہ کرنا ضروری ہے۔بغیر مشورہ کے نسخہ استعمال کرنا نقصان کا باعث بھی ہو سکتا ہے جس کا ادارہ پیشوا ذمہ دار نہیں ہوگا۔

(چیف ایڈیٹر۔رسالہ پیشوا انٹرنیشنل لندن)

شمائل نبوی ﷺ (آنحضرت ﷺ کے قبولیت دعا کے واقعات)

قسط 10

(تحریر و تحقیق: چوہدری ناز احمد ناصر۔لندن)

خدا ایک مخفی خزانہ تھا اس نے چاہا کہ وہ پہچانا جائے، سو اس نے انسان کو پیدا کیا اور اپنی ذات وصفات کا عرفان اسے بخشا۔ان صفات میں ایک نہات اہم صفت جو ہستی باری تعالیٰ پر زبردست گواہ ہے۔خدا تعالیٰ کا مجیب الدعوات ہونا ہے۔وہ خود اپنی ہستی کا ثبوت دیتے ہوئے فرماتا ہے: اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاہُ وَ یَکْشِفُ السُّوْءَ وَ یَجْعَلُکُمْ خُلَفَاءَ الْاَرْضِ . ءَ اِلٰہٌ مَّعَ اللّٰہِ. قَلِیْلاً مَا تَذَکَّرُوْنَ. (سورۃ النمل:63)

ترجمہ: (نیز بتاؤ تو) کون کسی بے کس کی دعا سنتا ہے جب وہ اس (خدا) سے دعا کرتا ہے اور (اس کی تکلیف کو دور کر دیتا ہے اور وہ تم (دعا کرنے والے انسانوں) (ایک دن) سارے زمین کا وارث بنا دے گا۔کیا (اس قادر مطلق) اللہ کے سوا کوئی معبود ہے؟ تم بالکل نصیحت حاصل نہیں کرتے۔

پھر فرماتا ہے: وَ اِذَا سَاَلَکَ عِبَادِی عَنِی فَاِنِّی قَرِیْب اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِی وَلْیُؤْمِنُوا بِی لَعَلَّھُمْ یَرْشُدُوْنَ .

(سورۃ بقرہ:187)

ترجمہ: اور (اے رسول) جب میرے بندے تجھ سے میرے متعلق سوال کریں تو (تو جواب دے کہ) میں (ان کے) پاس (ہی) ہوں، جب دعا کرنے والا مجھے پکارے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں، سو چاہیے کہ وہ (دعا کرنے والے بھی) میرے حکم کو قبول کریں اور مجھ پر ایمان لائیں تا وہ ہدایت پائیں۔

دراصل قبولیت دعا کا یہی فلسفہ ہے کہ جتنا کوئی خدا کی باتیں مانتا ہے اس قدر اس کی سنی اور مانی جاتی ہے۔ایک لاکھ چوبیس ہزار نبیوں رپیغمبروں کی زندگی گواہ ہے کہ ان کا ایک ایک لمحہ دعا کے سہارے گذرا اور تبھی وہ کامیاب وکامران ہوئے۔

انبیاء کرام کے اس عظیم گروہ میں ایک وہ مرد میدان بھی ہے جس نے اپنے رب کریم کی اطاعت میں اپنا وجود ایسا مٹایا کہ خدا تعالیٰ کی رضا اس کی رضا بن گئی۔ وہی، جس نے یہ نعرہ بلند کیا کہ میری نمازیں اور قربانیاں اور میرا مرنا اور جینا سب اس اللہ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے، تب خدا بھی اس پر خوب مہربان ہوا اور اس دنیا میں اس کی سب مرادیں پوری کیں۔اگلے جہاں میں بھی جب تمام انبیاء کی خدمت میں خدا کے دربار میں شفاعت کرنے کی التماس ہوگی تو سب انبیاء کے عذر کے بعد آپ ﷺ ہی وہ جری اللہ ہیں جو آگے بڑھیں گے اور اپنے مولیٰ کے حضور سجدہ ریز ہو کر اور گڑگڑا کر اپنے امتیوں کے لئے شفاعت کی اجازت چاہیں گے، تب آپ ﷺ کو یہ مژدہ سنایا جائے گا کہ ''سَلْ تَعْطَہْ'' کہ آج آپ ﷺ جو مانگیں گے عطا کیا جائے گا۔پھر کتنے ہی ایسے امتیوں کے حق میں آپ ﷺ کی شفاعت قبول ہوگی جن کے اعمال صالحہ میں کچھ کمزوریاں بھی رہ گئی تھیں اور وہ سب بخشے جائیں گے۔یقیناً یہی وہ عظیم الشان مقبول دعا ہوگی، جس کے بارہ میں ہمارے آقا ومولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ ''ہر نبی کو ایک خاص دعا کی قبولیت کا وعدہ ہوتا ہے اور میں نے وہ دعا اپنی امت کے لئے محفوظ کر رکھی ہے جو روز قیامت اپنے رب سے مانگوں گا''۔ہزاروں ہزار درود ہوں اس محسن اعظم ﷺ پر جنہیں اپنی امت کا اس قدر درد تھا۔

(بخاری کتاب التفسیر سورہ بنی اسرائیل باب ذریعۃ من حملنا مع نوح: 41)

حقیقت یہ ہے کہ دعا کا عرفان اور اس پر سچا ایمان ہمارے سید ومولیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ نے پیدا کیا، آپ ﷺ نے ہمیں سکھایا کہ جوتی کا تسمہ بھی مانگنا ہو تو اپنے رب سے مانگو۔آپ ﷺ کا لمحہ لمحہ دعا تھا اور آپ ﷺ کی پاکیزہ سیرت قبولیت دعا کے سینکڑوں خوبصورت نمونوں سے بھری پڑی ہے، جن میں سے چند مستند واقعات کا تذکرہ اس جگہ کیا جا رہا ہے تاکہ قبولیت دعا پر ایمان اور یقین بڑھے اور دعا کے لئے جوش اور جذبے اس طرح پروان چڑھیں، جیسے حضرت مریم علیہ السلام کے ہاں بے موسمی پھل دیکھ کر حضرت زکریا علیہ السلام میں دعا کا جوش پیدا ہوا تھا جو بالآخران کی قبولیت کا باعث ٹھہرا۔ہم بھرپور یقین اور عزم کے ساتھ اپنے اس مولیٰ سے مانگیں جو اپنے بندوں کے ساتھ گمان کے مطابق ہی سلوک کرتا ہے۔

سیرت رسول ﷺ سے ان دعاؤں میں سے چند نمونے پیش خدمت ہیں:

ہدایت کے لئے دعائیں: ۔دو عمر میں سے ایک کی ہدایت کے لئے دعا: ہمارے آقا ومولیٰ ﷺ کا اٹھنا بیٹھنا اور اوڑھنا بچھونا تو دعا ہی تھا، آپ ﷺ کے ہر کام کا آغاز بھی دعا سے ہوتا تھا اور دعاؤں سے ہی آپ ﷺ کے کام انجام کو

پہنچتے تھے۔ مکہ میں جب آپ ﷺ نے دعوت اسلام کا آغاز فرمایا اور مخالفت شروع ہوئی تو سرداران قریش میں عمرو بن ہشام (جو بعد میں ابو جہل کے نام سے مشہور ہوا) اور عمر بن خطاب جیسے شدید معاندین پیش پیش تھے۔ رسول کریم ﷺ کے دل میں ان شدید دشمنان اسلام کے حق میں محبت اور رحم کے جذبات ہی پیدا ہوئے اور آپ ﷺ نے خدا تعالیٰ کے حضور یہ دعا کی:

''اے اللہ! ان دو اشخاص عمرو بن ہشام اور عمر بن خطاب میں سے کسی ایک کے ساتھ (جو تجھے پسند ہو) اسلام کو عزت اور قوت نصیب فرما''۔

(ترمذی کتاب المناقب باب عمر بن خطاب)

پھر دنیا نے دیکھا کہ ہادی برحق کی دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی یہ دعا ایسے حیرت انگیز اور معجزانہ رنگ میں قبول ہوئی کہ وہی عمر بن خطاب جو گھر سے تلوار لے کر رسول خدا ﷺ کو قتل کرنے نکلے تھے اسلام کی محبت اور دعا کی تلوار سے گھائل ہو گئے۔

2۔ مشرکین مکہ کے قحط میں مبتلا ہونے کے لئے دعا: جب قریش نافرمانیوں میں حد سے بڑھ گئے اور ان کے ایمان لانے کی کوئی صورت نظر نہ آئی۔ اس وقت بھی اس رحمۃ العالمین ﷺ نے ان کی ہلاکت نہیں مانگی بلکہ بارگاہ الٰہی میں ایک التجا کی (جو بظاہر تو بددعا معلوم ہو لیکن فی الواقع وہ ان کو کسی بڑی سزا اور تباہی سے بچانے کے لئے ایک نہایت حکیمانہ دعا تھی)۔ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی: ''اے میرے مولیٰ! ان مشرکین مکہ کے مقابلہ پر میری مدد کسی ایسے قحط سے فرما جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کی مدد تو نے قحط سالی کے ذریعہ فرمائی تھی''

اس دعا میں رحمت وشفقت کا یہ عجیب رنگ غالب تھا کہ ان کو قحط سے ہلاک نہ کرنا بلکہ جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی قحط سالی سے مجبور ہو کر اس نشان کے بعد بالآخر ان پر ایمان لے آئے تھے، اسی طرح میری قوم کو بھی میرے پاس لے آ۔ چنانچہ یہ دعا مقبول ہوئی اور مشرکین مکہ کو ایک شدید قحط نے آ گھیرا یہاں تک کہ ان کو ہڈیاں اور مردار کھانے کی نوبت آئی۔ تب مجبور ہو کر ابو سفیان آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ ''اے محمد ﷺ! آپ ﷺ تو صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں۔ آپ ﷺ کی قوم اب ہلاک ہو رہی ہے، آپ ﷺ اللہ سے ہمارے حق میں دعا کریں (کہ قحط سالی دور فرمائے) اور بارشیں نازل ہوں، ورنہ آپ ﷺ کی قوم تباہ ہو جائے گی''۔

آپ ﷺ نے ابوسفیان کو احساس دلانے کے لئے صرف اتنا کہا کہ تم بڑے دلیر اور حوصلہ والے ہو جو قریش کی نافرمانی کے باوجود ان کے حق میں دعا چاہتے ہو، مگر دعا کرنے سے انکار نہیں کیا کیونکہ اس رحمت مجسم کو اپنی قوم کی ہلاکت ہرگز منظور نہ تھی۔ اسی وقت آپ ﷺ کے ہاتھ دعا کے لئے اٹھ گئے اور اپنے مولیٰ سے قحط سالی کے دور ہونے اور باران رحمت کے نزول کی یہ دعا بھی خوب مقبول ہوئی۔ اس قدر بارش ہوئی کہ قریش کی فراخی اور آرام کے دن لوٹ آئے، مگر ساتھ ہی وہ انکار اور مخالفت میں بھی تیز ہو گئے۔ (بخاری کتاب التفسیر سورۃ الروم و الدخان)

حضور ﷺ کی دعا سے جب بارشوں کا کثرت سے نزول شروع ہوا تو مسلسل کئی روز تک بارش ہوتی رہی۔ مشرکین نے پھر آکر بارش کے تھم جانے کے لئے دعا کی درخواست کی اور پھر رسول اللہ ﷺ کی دعا کے نتیجہ میں بارش تھم گئی، مگر حیف صد حیف اس عظیم نشان کے باوجود قریش انکار و مخالفت سے باز نہ آئے۔

(الخصائص الکبریٰ جز ثانی ص 163 مطبوعہ بیروت)

3۔ طائف کے تبلیغی سفر کے دوران تکلیفوں میں بھی ان کی ہدایت کے لئے دعا:
مکی دور میں مشرکین مکہ کی مخالفت اور انکار بالاصرار سے تنگ آکر جب ہمارے آقا و مولیٰ ﷺ نے الٰہی ارشاد کے مطابق طائف کا قصد فرمایا تو آپ ﷺ کو زندگی کی سب بڑی تکلیف وہاں اٹھانی پڑی۔ حضرت عائشہؓ نے آپ ﷺ سے ایک دفعہ پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ احد (جس میں آپ ﷺ شدید زخمی ہوئے اور بہت تکلیف اٹھائی) سے بھی زیادہ کبھی آپ ﷺ کو تکلیف برداشت کرنی پڑی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے عائشہ! میں نے تیری قوم سے بہت تکلیفیں برداشت کیں، مگر میری تکلیفوں کا سخت ترین دن وہ تھا جب میں طائف کے سردار عبد یالیل کے پاس پیغام حق پہنچانے گیا اور اس سے اعانت اور امان چاہی مگر اس نے انکار کر دیا، بلکہ شہر کے اوباش لڑکے آپ ﷺ کے پیچھے لگا دیئے جو آپ ﷺ کو پتھر مارنے لگے، یہاں تک کہ آپ ﷺ کے پاؤں سے خون بہنے لگا، تب میں افسردہ ہو کر وہاں سے لوٹا''۔

اس موقع پر آپ ﷺ نے جس درد و کرب میں ڈوبی ہوئی دعا کی جس میں آپ ﷺ نے اپنے مولیٰ کی غیرت کو یوں جوش دلایا: ''اے خداوند! میں اپنے ضعف و ناتوانی، مصیبت اور پریشانی کا حال تیرے سوا کس سے کہوں؟ مجھ میں صبر کی طاقت اب تھوڑی رہ گئی ہے۔ مجھے اپنی مشکل حل کرنے کی کوئی تدبیر نظر نہیں آتی۔ میں سب

لوگوں میں ذلیل و رسوا ہو گیا ہوں۔ تیرا نام ارحم الراحمین ہے، تو رحم فرما۔ کیا تو مجھ دشمن کے حوالے کر دے گا جو مجھے تباہ و برباد کر دے۔ خیر! جو چاہے کر پر ایک تو مجھ سے ناراض نہ ہونا، بس پھر مجھے کسی کی پرواہ نہیں ہے"۔

(المعجم الکبیر لطبرانی جلد 11، ص 174 بیروت)

جب آپ ﷺ قرن الثعالب کے مقام پر پہنچے تو آسمان کی تو آسمان کی طرف نگاہ کی جبریلؑ کی آواز آئی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی دعا کا جواب بھیجا ہے۔ ملک الجبال نے آپ ﷺ کو سلام کیا اور کہا: "اے محمد ﷺ! آپ ﷺ کیا چاہتے ہیں؟ اگر آپ ﷺ چاہیں تو دو پہاڑوں کو اس وادی پر گرا کا تباہ کر دوں"۔

آپ ﷺ نے جواب دیا کہ "نہیں ایسا مت کرو، میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی نسلوں سے ایسے لوگ پیدا کرے گا جو خدائے واحد لاشریک کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی شریک نہیں ٹھہرائیں گے"۔

(بخاری کتاب بدء الخلق ذکر الملائکۃ)

آپ ﷺ نے اپنی قوم کی ہلاکت نہیں چاہی بلکہ نہایت درد کے ساتھ خدا تعالیٰ سے اس طرح دعا کی: اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَومِی فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُونَ یعنی اے اللہ میری قوم کو ہدایت نصیب کر، یہ نہیں جانتے۔

(نور الیقین فی سیرۃ خاتم النبین ڈاکٹر خضری بک واقعہ سفر طائف مطبوعہ مصر)

جب مکہ فتح ہوتا ہے اور آپ ﷺ کو اتنی طاقت حاصل ہوتی ہے کہ چاہتے تو طائف کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں، اس وقت بھی آپ ﷺ اہل طائف کے لئے اپنے مولیٰ سے رحمت کی بھیک مانگتے ہی نظر آتے ہیں۔ اسلامی لشکر جب طائف کا رخ کرتا ہے تو اہل طائف محصور ہو کر مقابلہ کرتے ہیں اور مسلمانوں پر خوب تیر برساتے ہیں۔ جب مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ان کے لئے بددعا کرنے کی درخواست کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اَللّٰھُمَّ اھْدِ ثَقِیفًا کہ اے اللہ! (وادی طائف کی قوم) ثقیف کو ہدایت عطا فرما۔ چنانچہ اس وقت محاصرہ تو اٹھا لیا گیا لیکن 9ھ میں قوم ثقیف نے مدینہ آکر اسلام قبول کر لیا۔

(بخاری کتاب المغازی و ترمذی ابواب المناقب باب مناقب ثقیف)

4۔ قبیلہ دوس کے سردار کو اپنی قوم کی ہدایت کیلئے نشان کی دعا: یمن کے قبیلہ دوس کے سردار طفیل بن عمرو نے اسلام قبول کرنے کے بعد اپنی قوم کی ہدایت کے کسی تائیدی نشان کے لئے دعا کی درخواست کی۔ نبی کریم ﷺ نے اسی وقت دعا کی کہ "اے اللہ! طفیل بن عمرو کو کوئی نشان عطا کر"۔ اس دعا نے طفیل کو بھی مستجاب الدعوات بنا دیا۔ آپ کے اپنے شہر میں داخل ہوتے وقت ان کی پیشانی پر روشنی کا نشان ظاہر ہوا۔ انہوں نے دعا کی کہ: "اے اللہ! میری قوم یہ نہ سمجھ لے کہ اپنا دین تبدیل کرنے کی وجہ سے میرا چہرہ مسخ ہو گیا ہے، اس لئے یہ نشان کہیں اور ظاہر فرما دے"۔ چنانچہ میری چھڑی کے سرے پر وہ روشنی ظاہر ہوگئی۔ طفیل کے والد اور بیوی وغیرہ رشتہ داروں نے یہ نشان دیکھ کر حق کو قبول کر لیا مگر قوم پھر بھی نہ مانی۔

جب طفیل نے دوبارہ مکے آکر رسول اللہ ﷺ سے اپنی قوم کے خلاف بددعا کی درخواست کی تو آپ ﷺ نے ہاتھ اٹھائے اور یہ دعا کی کہ: "اے اللہ! دوس قبیلہ کو ہدایت عطا فرما اور ان کو یہاں لے کر آ"، نیز طفیل کو نصیحت فرمائی کہ وہ واپس جا کر نہات حکمت، نرمی اور محبت سے اپنی قوم کو اسلام کی طرف بلائیں۔ اس نصیحت پر عمل کرنے کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا اور دوس قبیلہ مسلمان ہونے لگے۔ غزوہ خیبر کے حضرت طفیل اپنی قوم میں سے مسلمان ہونے والوں کو لے کر آئے اور جلد ہی مدینہ میں دوس قبیلہ کے ستر (70) اسی (80) گھرانے آباد ہو گئے، یہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ کی دعا کا معجز نما نشان تھا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد 5 ص 361 مسند احمد جلد 2 ص 243 مطبوعہ بیروت)

5۔ دوس قبیلہ کے ابو ہریرہؓ اور ان کی مشرک والدہ کا اسلام قبول کرنا: حضرت ابوہریرہؓ بھی اسی دعا کا نتیجہ تھے۔ ایک روز حضرت ابوہریرہؓ نے اپنی مشرک والدہ کو اسلام قبول کرنے کو کہا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کی۔ حضرت ابوہریرہ نے بڑے کرب کے ساتھ دربار نبوی میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ عرض کیا۔ رسول کریم ﷺ کے دل سے یہ دعا نکلی: "اَللّٰھُمَّ اھْدِ اُمَّ اَبِی ھُرَیْرَۃَ" کہ اے اللہ ابوہریرہ کی ماں کو ہدایت دے۔ حضرت ابوہریرہؓ جب گھر آئے تو ان کی والدہ میں ایک عجیب تغیر اور انقلاب پیدا ہو چکا تھا۔ وہ بلند آواز سے "اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدً رَّسُولُ اللّٰہ" پڑھ کر اپنے قبول اسلام کا اعلان کر رہی تھیں۔ آپؓ اسی وقت آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ "اے خدا کے رسول ﷺ! دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ میری اور میری والدہ کی محبت مومنوں کے دلوں میں پیدا کر دے"۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے حق میں بھی یہ دعا کر دی۔ (الاصابہ فی معرفۃ الصحابۃؓ زیر لفظ ابوھریرہ جلد 4 ص 204 مطبوعہ مصر)

(بقایا حصہ آئندہ شمارے میں)

آوارگانِ دشتِ خار (قسط 23)

جہاں عصرِ حاضر کے مسلمانوں کی حالتِ زار دیکھ کر ہر اُس مسلمان کا دِل خُون کے آنسو رو رہا ہے جس کے بدن میں اللہ اور اُس کے رسول کی محبت خُون کی طرح دوڑ رہی ہے وہاں علماء سُوء جو اُمّت مسلمہ کو اِس نہایت دردناک صورت حال سے دوچار کرنے والے ہیں نہایت ڈھٹائی اور بے شرمی کے ساتھ اصلاحِ اُمّت کے نام پر فرقہ بازی اور تکفیر بازی کا بازار گرم کیے ہوئے ہیں، اللہ اور رسول ﷺ کے نام پر خُون کی ہولی کھیل رہے ہیں۔ اِن اسلام کے جھوٹے ٹھیکیداروں کی بے لگام تحریروں اور تقریروں نے جہاں کلمہ طیّبہ پڑھنے والوں کو کُفر کی بھٹی میں جھونک دیا ہے وہیں ایک دوسرے کے خُون کے پیاسے بھی بنا دیا ہے۔ کل تک یہ فرقہ بازی کے مقابلے مولانا لوگ اپنی اپنی مسجدوں میں کیا کرتے تھے یا موٹی موٹی کتابیں تحریر کی جاتی تھیں جو کُفر کے فتووں، بُرے الفاظ اور اخلاقی گراوٹ کا شاہکار ہوتی تھیں۔ اب یہ کارِ گناہ اسلام کے نام پر بنائے جانے والے ٹی وی چینلز پر بھی ہو رہا ہے۔ آوارگانِ دشتِ خار میں ذکر ہوگا ان نام نہاد مولویوں کا جو اُمتِ مسلمہ کو گُھن کی طرح کھا رہے ہیں۔ جو جُبے اور دستار میں ملبوس عالموں کے بھیس میں عامتہ الناس کو گُمراہ کر رہے ہیں کبھی فرقوں کے نام پر، کبھی عقیدوں کے نام پر اور کبھی سیاست کے نام پر۔ اور آوارگانِ دشتِ خار میں ذکر ہوگا اُن مذہبی جنونیوں کا جو اپنی پسند کا اسلام نافذ کرنا چاہتے ہیں تا کہ انسانوں کی گردنیں مذہب کے نام پر کاٹی جا سکیں۔ آوارگانِ دشتِ خار لکھنے کا مقصد اُن عوامل اور مذہبی جنونیوں کے چہرے سے نقاب اُٹھانا ہے جنکی تفسیروں اور تقریروں نے اُمّتِ مسلمہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے اور جن کی تفرقہ بازیوں نے کلمہ گو مسلمانوں کی اخوت کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔ آوارگانِ دشتِ خار میں ذکر ہوگا اُن نام نہاد علماء کا، پیروں کا اور اُن نام کے مسلمانوں کا جو بددیانتی اور ناانصافی کرتے ہیں اور دم بھرتے ہیں اسلام کا۔ آوارگانِ دشتِ خار لکھنے کا مقصد قطعاً کسی کا دل دکھانا مقصود نہیں ہے، صرف اور صرف اصلاح احوال کے لیے کوشش کرنا ہے۔

شرابی، سرکاری مولوی !!!

وزیرِ اعظم عمران خان نے دیوبندی مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے مولانا طاہر اشرفی کو اپنا نمائندہ خصوصی برائے مذہبی ہم آہنگی تعینات کر دیا ہے۔ مولانا طاہر اشرفی کی تعیناتی کا نوٹیفکیشن جاری کر دیا گیا ہے۔

وطن عزیز میں نام نہاد با اثر مولویوں کو سیاسی مقاصد کے لیے استعمال کرنا عام سی بات ہو چکی ہے۔ جس طرح کہا جاتا ہے کہ لوہا لوہے کو کاٹتا ہے، زہر کو زہر مارتا ہے، اسی طرح مولوی کا مقابلہ مولوی سے کروایا جاتا ہے۔ ماضی میں بھی عمران خان نے حکمت عملی کے تحت فضل الرحمن فیکٹر کو کاٹنے کے لئے جے یو آئی سین کے سربراہ مولانا سمیع الحق کو سپورٹ کیا تھا۔ اسی سپورٹ کے تحت انکے مدرسے کو پچاس کروڑ روپیہ عطیہ کیا گیا تھا۔ مولانا فضل الرحمان کو اسی حکمت عملی کے تحت اپنی قومی نشست سے ہاتھ دھونا پڑا تھا اور مولانا سمیع الحق کو اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑا تھا۔ یاد رہے ان دونوں مولانا حضرات کا تعلق

زیرِ نظر پمفلٹ دو تین دن پہلے اٹک میں تقسیم کیا گیا ہے جس میں کالعدم سپہ صحابہ عرف لشکرِ جھنگوی کیطرف سے فنڈ جمع کرنے کی درخواست ہے تا کہ ”پاکستان سے شیعہ کے ناپاک وجود کو نیست و نابود کیا جا سکے“۔ بحوالہ روزنامہ نیا دور ۲۵ ستمبر ۲۰۲۰ء

@ShiaWehdatNews

کافر کافر شیعہ کافر
تحریک تحفظ ناموس صحابہؓ و لشکر جھنگویؒ
کافر کافر شیعہ کافر
شیعہ کائنات کا بدترین کافر ہے۔ مولانا جھنگوی شہیدؒ
شیعہ واجب القتل ہے۔ مولانا اعظم طارق شہیدؒ
مکرمی جناب ....
التماس ہے کہ شہدائے سپاہ صحابہؓ اور مولانا حق نواز جھنگوی شہیدؒ کے عظیم مشن کو قائم و دائم رکھنے کے لئے تحریک تحفظ ناموس صحابہؓ شکردرہ کا قیام عمل میں لایا گیا ہے جس کا اولین مقصد پاکستان سے شیعہ کے ناپاک وجود کو نیست و نابود کرنا ہے۔
اس عظیم مقصد کے لئے آپ کے اخلاقی اور مالی تعاون کی اشد ضرورت ہے لہٰذا آپ سے زیادہ سے زیادہ مالی تعاون کی اپیل کی جاتی ہے اس لئے اپنے عطیات اور مالی امداد جلد از جلد بذریعہ منی آرڈر یا بذریعہ ایزی پیسہ فوری ارسال کریں۔
اللہ آپکو جزائے خیر عطا کرے۔ آمین
برائے منی آرڈر بنام۔
حافظ خالد محمود صاحب
فلاحی مرکز بہبود آبادی شیخ باغ اٹک
بذریعہ ایزی پیسہ شناختی کارڈ نمبر۔۔ 37101-1719549-7
بنام۔ عاشق حسین سرپرست تحریک تحفظ ناموس صحابہؓ و لشکر جھنگوی
شکردرہ اٹک۔ موبائل نمبر۔ 03215726874

دیوبندی مکتبہ فکر سے تھا۔ جب سعودیہ اور پاکستان کے درمیان حالات کشیدہ ہوئے تھے تب بھی ریاست کے منتظمین نے شرابی، سرکاری مولوی طاہر اشرفی سے ہی مدد کی اپیل کی جو سعودی شاہی خاندان سے رابطوں میں مددگار ثابت ہوئی۔ گزشتہ دنوں حکومت نے شیعہ کارڈ کھیلنے کی کوشش کی تھی مگر گالم گلوچ تک محدود رہی۔

دھرنے اور انکی بڑی تعداد میں مظاہرین جمع کرنے کی صلاحیت کے باعث مولانا فضل الرحمان حکومت وقت کے لیے خطرہ سمجھے جا رہے ہیں، طاہر اشرفی دیوبندی کے زہر سے مولانا فضل الرحمان کو سیاسی طور پر مارنے کی کوشش کی جائے گی، کامیابی کی صورت میں طاہر اشرفی کا انجام سمیع الحق جیسا ہو سکتا ہے۔

”سر تن سے جدا کرنے والے مُلّا، مدارس میں جنسی درندگی پر خاموش کیوں؟“

کافر کافر کی صدائیں، سر تن سے جدا وغیرہ۔ یہ وہ خوفناک نعرے ہیں جو اکثر و بیشتر کبھی کسی مسجد کے منبر سے، مذہبی جماعتوں کے اجتماعات اور ریلیوں میں سے سننے کو ملتے ہیں جس کا نشانہ کبھی اقلیت تو کبھی سیاستدان، یا پھر سوشل میڈیا ایکٹوسٹ اور صحافیوں سمیت دوسرے فقہ سے تعلق رکھنے والے افراد بنتے ہیں۔

اس وقت قائد کا پاکستان ہوس کے پجاری جنسی درندوں کے شکنجے میں ہے اور آئے روز کوئی نا کوئی ایسی دل دہلا دینے والی خبر سامنے آجاتی ہے جس سے انسانیت بھی شرما اٹھے، گلی میں کھیلتے ننھے پھول، سکول، کالج، یونیورسٹی میں پڑھتے طلبہ، راہ گزر و گھر کی چار دیواری میں موجود عورت یا قبر میں پڑی بے جان لاش حتی کہ ان درندوں کے ہاتھوں جانور تک غیر محفوظ ہیں۔

اب نوبت تو یہاں تک آ پہنچی ہے کہ مسلمانوں کی سب سے مقدس اور پاکیزہ عبادت گاہیں، مساجد و مدارس، جہاں ہر وقت کانوں میں گونجتی قرآن پاک کی تلاوت سے قلبی سکون ملتا ہو، جہاں دن میں پانچ بار اللہ اکبر اللہ اکبر کی صدا بلند ہوتی ہو، ایسی جگہیں بھی جب دین کا لبادہ اوڑھے وحشیوں کی نظر ہو جائیں تو پھر عوام کہاں جائیں اور کس سے منصفی چاہیں؟ کچھ عرصہ قبل مانسہرہ میں زیادتی کا ایک کیس سامنے آیا جہاں 10 سالہ طالب علم، جو مدرسہ تعلیم القران میں زیر تعلیم تھا، اسے وہاں کے قاری شمس الدین نے کئی مرتبہ نہ صرف زیادتی کا نشانہ بنایا بلکہ اسے دو دن تک حبس بے جا میں بھی رکھا اور مفتی کفایت اللہ پر اس قاری کو پناہ دینے کا بھی الزام عائد ہوا جس کے باعث قاری کو گرفتار کرنے میں پولیس کو مشکلات درپیش آئیں۔ مانسہرہ ہی کی ایک اور ویڈیو سے سوشل میڈیا پر وائرل ہے جس پر سکول کے طالب علم احتجاج کر رہے ہیں اور کسی قاری کے خلاف نعرے بازی ہوئے کہہ رہے ہیں کے قاری نے 4 سالہ بچی کو ریپ کیا اور ساتھ یہ بھی الزام عائد کر رہے ہیں کے اہل محلّہ نے قاری کو موقع سے فرار کرا دیا۔ دوسری طرف تحریک لبیک جلالی گروپ کے ضلع نارووال کے صدر قاری شاہد رفیق مدنی نے مدرسہ (دارالعلوم غوثیہ رضویہ) میں زیر تعلیم 13 سالہ بچے کو 16 ستمبر بعد از نماز عشا مدرسے ہی میں زیادتی کا نشانہ بنا ڈالا اور تین دن تک بچے کو مدرسے میں قید کیے رکھا۔ تاہم، بعد ازاں اطلاعات کے مطابق اسے گرفتار کر لیا گیا لیکن ابھی تک تحریک لبیک کی طرف سے کوئی مذمت سامنے نہیں آئی۔

حال ہی میں پیش آنے والے سانحہ موٹروے کے حوالے سے معروف عالم دین مولانا طارق جمیل نے بیان جاری کرتے ہوئے تمام تر نزلہ مخلوط تعلیم پر ہی گرا دیا۔ انہوں نے کہا کالجز اور یونیورسٹیوں میں بچے بچیاں اکٹھے تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ جب آگ اور پٹرول اکٹھے ہوں تو آگ نہ لگنا کیسے ممکن ہوگا۔ چلو کسی حد تک مولانا کی بات سے اتفاق کر ہی لیتے ہیں مگر مولانا صاحب یہ بتانا پسند فرمائیں گے کہ مساجد و مدارس میں بڑھتی جنسی زیادتیوں کے پیچھے کون سے محرکات ہیں؟ وہاں تو مخلوط تعلیم نہیں۔ پھر وہاں ایسے واقعات کیوں ہو جاتے ہیں؟

مذہبی رہنماؤں کو چاہیے کہ مساجد و مدارس میں چھپے نجس درندوں کو نکال باہر پھینکیں اور ان کے خلاف بھی بلا خوف و خطر بات کریں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ کالجز یونیورسٹیز اور دیگر جگہوں کے حوالے دے کر منبر یا تقریبات میں

مذہبی رہنماؤں کو چاہیے کہ مساجد و مدارس میں چھپے نجس درندوں کو نکال باہر پھینکیں اور ان کے خلاف بھی بلاخوف وخطر بات کریں۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ آپ کالجز یونیورسٹیز اور دیگر جگہوں کے حوالے دے کر منبر یا تقریبات میں بیان بازی کے ساتھ فحاشی کا تذکرہ کریں اور اپنے اندر چھپے ہوس کے پجاریوں کی پشت پناہی کرتے پھریں۔

آخر میں ان شدت پسند ملاؤں اور پیروکاروں کا ذکر کرتا چلوں جن کو جنت کا جھوٹا خواب دکھا کر کافر کافر کی صدا، سرتن سے جدا کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ ایسے جنت کے متلاشی حضرات کے لئے عرض ہے کہ ہر وقت گردنیں کاٹنے اور کافر کافر کی صدا سے جنت نہیں ملتی۔ کسی کے بہکاوے میں مت آئیں۔ اس وقت مسلم امہ کی مقدس عبادت گاہوں کا تقدس اپنے ہی محافظوں کے ہاتھوں پامال ہو رہا ہے۔ لہٰذا اپنی منافقانہ خاموشی توڑیں اور ان کے خلاف بھی کچھ بولیں۔

(کالم نگار۔ رجب علی فیصل۔ بشکریہ۔ روزنامہ نیا دور ۲۷ ستمبر ۲۰۲۰ء)

”میرا جسم میری مرضی“

گزشتہ چند برس سے خواتین کے عورت مارچ کے حوالے سے میرا جسم میری مرضی کا بے ہودہ نعرہ کافی مشہور ہو چکا ہے۔ مولانا عبدالقوی جنہوں نے کئی خفیہ نکاح کیے ہیں نے بھی مبشر لقمان کے پروگرام میں یہ کہہ کر کہ میرا جسم میری مرضی، اس نعرے کو مذہبی بھی بنا دیا ہے۔ مولانا عبدالقوی کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ وہ سینکڑوں خفیہ نکاح کروا چکے ہیں۔ عبدالقوی نکاح کے موقع پر گواہوں کے بھی قائل نہیں۔ انہوں نے پروگرام میں یہ بھی کہا کہ چالیس روز پہلے یعنی فروری ۲۰۲۰ء میں اسلام آباد کی ایک امیر عورت سے جس کے بال لمبے اور چہرہ خوبصورت ہے اپنا ایک اور خفیہ نکاح کیا ہے۔ مولانا عبدالقوی نے بتایا کہ اب اسلام آباد میں بھی میرا گھر بن گیا ہے۔ یاد رہے عبدالقوی کے جوان بچے ہی نہیں بلکہ نواسے نواسیاں بھی شادی کے قابل ہیں۔ مولانا عبدالقوی کو مقتولہ ماڈل قندیل بلوچ کے ساتھ شائع ہونے والی تصاویر نے مشہور کیا تھا۔ ان پر بھی قندیل بلوچ کے قتل کا الزام لگا تھا۔

بھبکا پروفیسر

قاری محبوب رضا خان لکھتے ہیں:۔

”طاہر القادری اپنے مصدقہ انٹرویو میں فرماتے ہیں کہ میں کسی بھی فرقے پر تنقید نہیں کرتا یعنی حکم الٰہی **ولا تلبسوا الحق بالباطل** پر عمل نہیں کرتا۔ مگر اپنے اقوال پر اہل حق کی گرفت سے فرار کے لیے پروفیسر صاحب جھوٹ بولنے اور اپنے قول و فعل کے انکار میں ذرا دیر نہیں کرتے۔ امام اہل سُنّت علامہ سیّد احمد سعید کاظمی نے فرمایا تھا کہ پروفیسر طاہر القادری اب سُنّی نہیں رہا اور یہ اس قدر فتنے برپا کرے گا کہ اس کی اصلیت سب پر کھل جائے گی۔ اکابر علماء حق کا یہی اعلان ہے کہ پروفیسر بھبکا ہوا ہے۔ کیا ان حقائق کے باوجود طاہر القادری کو صحیح العقیدہ سُنّی، حنفی اور مجتہد و مفسر تسلیم کیا جا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔“ (فتنہ طاہری کی حقیقت صفحہ۱۳۳ از قاری محبوب رضا خان قطب مدینہ پبلشر)

درس نظامی

جس درس نظامی تعلیم کو حاصل کر کے امام بنتے ہیں سے متعلق مولانا طاہر القادری لکھتے ہیں:۔

”دوسری اہم وجہ ہمارے علماء کرام کے اذہان میں پایا جانے والا ایک غلط تصوّر ہے کہ ہمارے ہاں مدارسِ اسلامیہ کے نصاب ”درس نظامی“ میں صدیوں سے جو فلسفہ پڑھایا جا رہا ہے وہ اسلام سے ماخوذ ہے۔ یہ تصوّر ہی حقیقت کے خلاف ہے، کیونکہ وہ فلسفہ بنیادی طور پر اِسلامی نہیں بلکہ یونانی فلسفہ ہے۔ ہمارے بعض کم نظر علماء وہ کتابیں پڑھ کر یہ تمیز بھول گئے ہیں کہ وہ فلسفہ یونانی ہے قرآنی نہیں۔ اسی وجہ سے یہ سمجھا جاتا رہا ہے کہ بعض سائنسی تصورات ہمارے مذہب کے خلاف ہیں، حالانکہ حقیقت اس سے یکسر مختلف ہے اور بدیہی طور پر اسلام اور سائنس میں کسی قسم کا کوئی تضاد اور ٹکراؤ نہیں بلکہ یہ تضاد غلط سوچ اور حقائق سے لاعلمی کی پیداوار ہے۔ نظریہ اِضافیت (Theory of Relativity) کے خالق شہرہ آفاق سائنسدان آئن سٹائن کا کہنا ہے کہ: Science with out religion is lame and

religion with out science is blind.(ترجمہ) مذہب کے بغیر سائنس لنگڑی ہے اور سائنس کے بغیر مذہب اندھا ہے۔ مولوی طاہر القادری فرماتے ہیں کہ یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ اِسلام اپنے ماننے والوں کو مذہب اور سائنس دونوں کا نُور عطا کرتا ہے۔''

(اسلام اور جدید سائنس از مولوی طاہر القادری صفحہ ۷۰)

بنیادی اختلاف موجود نہیں!!

مولوی طاہر القادری صاحب لکھتے ہیں:۔

''بخشش اور مغفرت کا دارومدار کسی طبقے یا فرقے کے عنوان کی بنیاد پر نہیں بلکہ ہر شخص کے ذاتی عقیدے اور عمل صالح کے باعث خُدا کے فضل اور کرم پر ہے۔ نجات کی یہ کسوٹی نہیں کہ وہ کس فرقے میں سے ہے۔ بلکہ یہ ہے کہ وہ خُدا اور رسول کی تعلیمات کے کتنا قریب ہے۔ یہ (فرقہ پرستی) کی لعنت ہماری زندگی کے لیے زہر ہلاہل کا درجہ رکھتی ہے۔

بحمد للہ مسلمانوں کے تمام مسالک اور مکاتب فکر میں عقائد کے بارے میں کوئی بنیادی اختلاف موجود نہیں ہے۔ البتہ فروعی اختلافات صرف جزئیات اور تفصیلات کی حد تک ہیں جن کی نوعیت تعبیری اور تشریحی ہے۔''

(فرقہ پرستی کا خاتمہ کیونکر ممکن ہے؟؟ از مولوی طاہر القادری صفحہ ۳۷ اور ۳۸)

معزز قارئین! عجیب بات ہے کہ مولوی صاحب فرما رہے ہیں کہ تمام مکاتب فکر میں عقائد کے بارے میں بنیادی اختلاف نہیں ہے اگر ایسا ہی ہوتا تو پھر مسجدیں مسلمانوں کے خون سے کیوں رنگین ہیں؟ منبر رسول پر کھڑے ہو کر مخالفوں کو جو مسلمان کہلاتے ہیں ننگی گالیاں کیوں دی جاتی ہیں؟ اور کفر کفر کی صدائیں کیوں بلند ہوتی ہیں؟ اور مرتد مرتد کے نعرے کیوں قتل و غارت میں بدل کر مسلمان ماؤں کی گودیں اجاڑ رہے ہیں؟ بیویوں کے سہاگ اور بہنوں کے بھائی موت سے ہمکنار کیوں ہو رہے ہیں؟ اور اگر فروعی اختلافات معمولی نوعیت کے ہیں تو پھر مولوی لوگ ایک دوسرے کے پیچھے یا ساتھ نماز کیوں نہیں پڑھتے؟ اور مسلمانوں پر مخالف مکتبہ فکر کی مسجدوں میں نماز پڑھنا کیوں جُرم بن گیا ہے؟ معزز قارئین! خود ساختہ عقائد ہی نے تو مسلمان معاشرے کو خاک و خون میں نہلایا ہے، مولویوں ہی نے تو بدعقیدہ اور بدمذہب کی اصطلاحیں ایجاد کی ہیں۔ اگر کوئی مولوی کے خود ساختہ عقیدے سے اختلاف کرے، وہ بد مذہب اور بدعقیدہ قرار پاتا ہے۔ مولوی طاہر القادری کو خوف خُدا کرنا چاہیے کہہ رہے ہیں کہ فروعی اختلافات کی نوعیت تعبیری اور تشریحی ہے، حالانکہ جانتے ہیں کہ ہمارے اسلامی معاشرے کی نحوستوں کی ایک بڑی وجہ فروعی اختلافات ہیں اور یہ کبھی حل نہیں ہو سکتے کیونکہ متکبر مولوی نہیں چاہتا کہ اُس کی روٹی بند ہو اور مُلّائیت کی چادر اُس کے مکروہ بدن سے اُترے کہ اس چادر کو ڈھال بنا کر ہی تو اسے روٹی ملتی ہے۔

دائرہ اسلام سے خارج!!

مولوی طاہر القادری صاحب لکھتے ہیں:۔

''اب کسی واعظ اور مبلغ کو منبر پر کھڑے ہو کر یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی پر اپنا مسلک اور نقطہ نظر زبردستی مسلط کرے اور اختلاف رائے رکھنے والے کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیتا پھرے۔''

(فرقہ پرستی کا خاتمہ کیونکر ممکن ہے؟؟ صفحہ ۴۵)

مولوی صاحب! حق ناحق کی بات کم از کم آپ نہ کریں کہ آپ بھی تو نہیں واعظین اور مبلغین کی صف میں شامل ہیں جن کا یہ وطیرہ ہے کہ جسے چاہا کافر کہہ دیا، جسے چاہا مرتد بنا دیا اور جسے چاہا بدعقیدہ اور بد مذہب بتا دیا۔ اور جسے چاہا خوارجی کہتے قرار دے دیا۔ کسی فلسفی کا دانشمندانہ قول ہے کہ

''صداقت ہی انسان کا اعلیٰ ترین جوہر ہے''

اور مولوی کے ساتھ یہ مسئلہ ہے کہ وہ صداقت سے عاری ہو گیا ہے۔ شرپسند اور فرقہ پرست مولویوں نے شیطان کی غلامی اختیار کر لی ہوئی ہے۔ شیطان کے لعین ہونے کی وجہ اُس کا تکبر بنا ہے اور نام نہاد مولوی بھی تکبر کے بدبودار رٹ میں لپٹے ہوئے ہیں۔

یونہی باتیں بنانے سے کیا حاصل
دِکھانے کو کوئی جائیداد تو ہو

بقایا صفحہ ۳۴:

گیلی لیو۔عدالت کے کٹہرے میں

تحریر و تحقیق: زکریا ورک کینیڈا

کچھ عرصہ بعد اس نے سورج کے مسلسل مشاہدے کے بعد اس کی سطح پر دھبے Sun-spots دریافت کئے جو اس بات کی علامت تھی کہ سورج اپنے محور کے گرد گھومتا ہے بالکل اسی طرح جس طرح زمین اپنے محور پر گھومتی ہے۔ جب پادریوں اور شہر کے مذہبی علما کو اس دعوے کا علم ہوا تو وہ بہت افروختہ ہوئے کہ پہلے اس نے زمین کے کائنات کا مرکز ہونے سے انکار کیا اور اب سورج پر دھبے دریافت کر بیٹھا ہے۔ یہ دریافت گیلی لیو کے لئے ساری عمر متنازعہ بات رہی کیونکہ ایک پادری کرسٹو فر شائنر Scheiner نے دعویٰ کر دیا کہ گیلی لیو سے پہلے سن سپاٹس اس نے دریافت کئے ہیں۔

کوپرنیکس نے سائنسی شواہد سے ثابت کیا تھا کہ سورج کائنات کا مرکز ہے۔ اس کی تائید گیلی لیو نے کی تھی۔ اس کے قریب تین سو سال بعد سائنسی نظریات بدلنے لگے اور ہارلو شیپلی Harlow Shapely نے ثابت کر دیا کہ ملکی وے گیلکسی میں نظام شمسی مرکز میں نہیں ہے بلکہ 2/3 ہٹ کر گیلکسی کے دور حصہ میں ہے۔ اس کے بعد ایڈون ہبل Edwin Hubble نے دریافت کیا کہ کائنات میں اور گیلکسیز بھی موجود ہیں۔ آج ہمیں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ شاید کائنات کے نظر آنیوالے حصہ میں دو ٹریلین گیلیسیز ہیں۔ بلکہ اب تو سائنسدان کہہ رہے ہیں کہ ہم ایک یونیورس نہیں بلکہ ملٹی ورس میں رہ رہے ہیں۔

گیلی لیو عدالت میں

25 مئی 1616 کو گیلی لیو نے گھر کے دروازے پر دستک سنی، دروازہ کھولا تو کوتوال نے ہاتھ میں تھامے عدالتی پروانے کو اونچی آواز میں پڑھنا شروع کیا۔ "تم کو حکم دیا جاتا ہے کہ اپنے نظریات کے پرچار سے فوراً باز آجاؤ، جو ارسطو کے نظریات کے خلاف ہیں اگر تم نے حکم عدولی کی تو پھر۔۔۔۔" اس کو سمجھ آ گئی کہ اس بار تو اس کو دھمکی سے خوف زدہ کیا جا رہا ہے مگر اگلی بار ایسا نہ ہوگا۔
گیلی لیو کے عزت آب پوپ کے ساتھ ایک عرصے سے دوستانہ تعلقات تھے مثلاً 1615 میں وہ روم گیا تو اس نے چرچ کے حکام کو کوپرنیکس کے نظام شمسی میں دلائل دے کر قائل کرنے کی کوشش کی مگر پوپ پال پنجم Pope Paul V اس کی اس حرکت سے خفا ہو گیا۔ عزت آب پوپ نے زمین کی گردش پر تحقیق کیلئے کمیشن مقرر کر دیا۔ چنانچہ 1616 میں کیتھولک چرچ کی مذہبی عدالت انکوئے زیشن Inquisition نے اعلان کر دیا کہ ایسی تمام کتابیں جن میں سورج کے کائنات کا مرکز ہونے کے دلائل تھے ان کو ضبط کر لیا جائے۔ اس کی کتاب ڈائیلاگ Dialogo di Galileo کو "انڈیکس آف فاربڈن بکس" میں شامل کر دیا گیا۔

گیلی لیو کوپرنیکس کے سائنسی نظریات کا زبردست حامی تھا یعنی زمین کائنات کا مرکز نہیں جو کہ صریحاً بائیبل کی تعلیم کے خلاف اور چرچ کے عقائد پر کاری ضرب تھی۔ گیلی لیو کو حکم دیا گیا کہ heliocentric تھیوری کے حق میں تھیوریز کی تعلیم دینے، دلائل دینے اور ان کا دفاع کرنے سے باز رہے۔ اس سال گیلی لیو کو دھمکی دی گئی تو اس نے مکمل خاموشی اختیار کر لی۔ اگلے تین سال تک اس نے کوئی کتاب شائع نہ کی۔ 1623 میں اس نے کتاب Assayer شائع کی اور اس کے اگلے سال 1624 میں وہ روم گیا تا نئے منتخب پوپ سے درخواست کرے کہ اس کے خلاف پہلا تادیبی حکم منسوخ کر دیا جائے۔ پوپ نے ایسا تو نہ کیا البتہ پرانی دوستی اور واقفیت کی بناء پر اس کو کتاب لکھنے کی اجازت دے دی۔ اس شرط پر کہ اس میں زمین کی گردش کے حق میں اور اس کے خلاف تمام دلائل فراہم کئے جائیں۔

اس نئی کتاب کا Dialogue Concerning the Two Chief World System نام تھا جو 1632 میں زیور طبع سے آراستہ ہوئی تھی۔ اس کتاب میں کوپرنیکس کی تھیوریز کی تائید کی گئی اور ثابت کیا گیا کہ ہماری زمین دیگر سیاروں کی طرح ہی ہے۔ سائنس کے جن قوانین کا یہاں روئے ارض پر اطلاق ہوتا ان ہی کا اطلاق دوسرے سیاروں پر بھی ہوتا ہے۔ اس کتاب میں گیلی لیو نے زمین کی ڈبل موشن double motion کا بھی ذکر کیا۔ نیز مدوجزر کی سائنسی وجہ بیان کی کہ یہ چاند کی کرہ زمین پر کشش ثقل کے اثر سے وقوع پذیر ہوتی ہیں۔ اس نے دلیل دی کہ مدوجزر اس بات کا بین ثبوت ہے کہ زمین حرکت کرتی ہے۔ یہ کتاب بہت مقبول ہوئی، اپنے دور کی بیسٹ سیلر تھی۔

گیلی لیو کا ٹرائیل: انکوئے زیشن کی مذہبی عدالت میں 1633 میں اسکے خلاف مقدمہ دائر کیا گیا۔ اس کو مجبور کیا گیا کہ وہ اپنی تھیوری کا انکار کرے کہ زمین سورج

کے گرد گھومتی ہے۔

مقدمہ 12، اپریل کو شروع ہوُا اور 22 جون 1633 کو ختم ہوُا ، اگر چہ جرح (انٹیروگیشن) 12 اپریل سے لے کر 10 مئی تک ہوئی تھی۔ پوپ نے اپنا فیصلہ 16 جون کو دیا اور سزا چھ دن بعد سنائی گئی تھی۔ انکوئے زیشن (Congregation of Holy Office) کے ممبران دس کارڈینل تھے۔ انٹیروگیشن کا انچارج کارڈینل میکالانو Maculano تھا۔ عقوبت اور جسمانی سزا کے خوف سے اس نے توبہ کر لی جو کہ درحقیقت plea bargaining تھی۔۔ لیکن جب وہ عدالت کے کمرے سے باہر جا رہا تھا تو اس نے زیر لب کہا کچھ بھی ہو یہ گھومتی ضرور ہے E pur i muove۔ اس پر یہ الزام عائد کیا گیا کہ تم پر الحاد کا شک کیا جاتا ہے یعنی تم ایک ایسے عقیدہ پر یقین رکھتے ہو جو کہ مقدس کتاب کے خلاف ہے یعنی سورج دنیا کا مرکز ہے اور یہ مشرق سے مغرب کی جانب نہیں جاتا اور یہ کہ زمین حرکت پذیر ہے اور یہ کائنات کا مرکز نہیں ہے۔ سزا کے فیصلے میں لکھا گیا کہ ہولی آفس کے اختیار میں ہے کہ اس کو کتنی مدت کی قید دی جائے ، تین سال تک وہ ہفتے میں ایک بار Psalms کا ورد سات دفعہ کرے اور Dialogo کو ضبط کر لیا جائے جو کہ دو افراد کے مابین مکالمہ ہے۔ اس کو عمر بھر قید کی سزا دی گئی مگر پوپ نے اگلے روز اس کی ضعیفی اور عوارض کے پیش نظر سزا کم کر کے ہاؤس اریسٹ کر دیا گیا۔ گیلی لیو دسمبر 1633 سے اگلے نو سال فلورنس Arcetri میں اپنے گھر میں نظر بند رہا۔ 8 جنوری 1642 کو شام کے وقت وہ نمونیا اور دل کے فیل ہونے سے راہی ملک عدم ہوُا۔ اس کی عمر 77 سال، 10 مہینے اور 20 دن تھی۔ اس نے اپنے پیچھے دو بیٹیاں، ایک بیٹا Vincenzo چھوڑا جو میڈیکل ڈاکٹر تھا۔ اس کو فلورنس کے Basilica of St Croce کے چھوٹے نامعلوم حصے میں دفنایا گیا۔ ایک سو سال تک وہ یہیں پر زیر زمین رہا مگر 12 مارچ 1737 کو اس کو اسی چرچ کی ایک اور کھلی جگہ پر دفنایا گیا جس کے اوپر شاندار یادگار تعمیر کی گئی۔ جب اس کو دوسری دفعہ دفن کیا گیا تو اس کے دائیں ہاتھ کی تین انگلیاں، ایک دانت اور ریڑھ کی ہڈی کو محفوظ کر لیا گیا۔ فلورنس کے گیلی لیو میوزیم میں دو انگلیاں (انگوٹھا اور درمیانی انگلی) اور دانت گلاس مرتبان میں رکھے دیکھے جا سکتے ہیں۔ تیسری انگلی یونیورسٹی آف پیڈوا میں ہے جہاں وہ پروفیسر رہا تھا۔ قبر میں اس کی بیٹی Maria Celeste کا جسم بھی دفن ہے جس کی وفات 33 سال کی عمر میں ڈائی سینٹری سے ہوئی تھی۔

Galileo's Middle Finger

Giordano Bruno

چرچ کا معافی مانگنا

نیو یارک ٹائمز نے یکم نومبر 1992 میں رپورٹ کیا کہ The Earth revolves around the sun, even for the Vatican۔ گیلی لیو کی وفات کے 343 سال بعد پوپ جان پال دوم نے پونٹی فیشل اکیڈیمی آف سائنسز کے اجلاس میں اعلان کیا کہ گیلی لیو کے سائنسی نظریات ٹھیک تھے۔ پوپ نے 1979 میں منتخب ہونے کے بعد اکیڈیمی اف سائنسز کے ممبران پر مشتمل ایک کمیٹی قائم کی کہ اس معاملے میں تحقیق کرے۔ کمیٹی نے فیصلہ سنایا کہ انکوئے زیشن غلط تھی اور گیلی لیو صحیح تھا۔ دراصل یہ تنازعہ چرچ اور گیلی لیو کے درمیان نہیں تھا بلکہ سائنس اور مذہب کے درمیان تھا جس میں آخر کار پوپ کو سائنس کے آگے سر خم تسلیم کرنا پڑا۔ جب بھی کوئی نئی چیز دنیا میں سامنے آتی رجعت پسند لوگ پہلے اس کی مخالفت کرتے مگر بعد میں اس کو گلے لگا لیتے ہیں۔ یہ تنازعہ دانشی آزادی intellectual freedom، فری ڈم آف تھاٹ، فری ڈم آف سپیچ پر ناروا رقیق حملہ تھا۔ گیلی لیو کے اس افسوس ناک مقدمے سے یہ سبق اخذ ہوتا کہ مذہبی، سائنسی یا دیگر آراء رکھنے کے باعث کسی کو قید کرنا یا زبان بندی کرنا غلط ہے۔ آج اس مقدمے کی تفصیل پڑھ کر ہم انکوئے زیشن کو برا بھلا کہتے مگر گیلی لیو کو ہیرو تسلیم کرتے ہیں جس نے جابر سلطان کے آگے کلمہ حق پڑھا۔

شعروشاعری

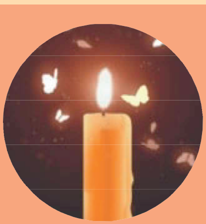

”چہروں پہ بھی ایمان کا وہ نور نہیں ہے“

نازؔ مرادآبادی

وہ کون ہے دنیا میں جو مجبور نہیں ہے
انساں کو کسی بات کا مقدور نہیں ہے

ہر شے پہ ترے حسن کا جادو ہے ازل سے
کیا چیز ترے حسن سے مسحور نہیں ہے

محکوم بنا لیتا بشر ارض و سما کو
لیکن وہ کرے کیا اسے مقدور نہیں ہے

دنیا میں اسے عیش و مسرت نہ ملیں گے
وہ دل جو غم عشق سے رنجور نہیں ہے

مانا کہ حقیقت کو سمجھنا نہیں آساں
انسان حقیقت سے مگر دور نہیں ہے

ہے صاحب ایماں کی کمی اہل جہاں میں
اک راز بھی ورنہ ترا مستور نہیں ہے

اٹھو کہ زمانے کو گناہوں سے بچائیں
جو دن ہے قیامت کا وہ دن دور نہیں ہے

کچھ کیجیے اعمال سنور جائیں جہاں میں
کچھ سوچیے اب وقت قضا دور نہیں ہے

طوفان کی ہر موج ہے اک درس حقیقت
ساحل پہ پہنچنا مجھے منظور نہیں ہے

احساس صداقت جو نہیں اہل طلب میں
چہروں پہ بھی ایمان کا وہ نور نہیں ہے

مانا کہ ہر اک عشرت عالم ہے میسر
انسان مگر آج بھی مسرور نہیں ہے

ہر قوم کا احساس نہیں جس کے عمل میں
دراصل وہ جمہور بھی جمہور نہیں ہے

ہے نازؔ کا ہر شعر خود اک شمع فروزاں
یہ بات الگ ہے کہ وہ مشہور نہیں ہے

”عزیزو جرم محبت عذاب ہوتا ہے“

شانتی لال ملہوترہ

ہر ایک بات پہ کیوں پیچ و تاب ہوتا ہے
عزیزو جرم محبت عذاب ہوتا ہے

فراز بام پہ دیکھا ہے جب کبھی ان کو
نظر میں ہیچ رخ ماہتاب ہوتا ہے

فقط یہ عشق و محبت کی ہم پہ آفت ہے
کہ جب بھی ہوتا ہے ہم پر عتاب ہوتا ہے

جہاں پہ ظلم و ستم حد سے اپنی بڑھتے ہیں
یقین مانو وہیں انقلاب ہوتا ہے

نہ انجمن میں ٹھکانہ نہ اپنے گھر میں کہیں
خراب بزم بھی خانہ خراب ہوتا ہے

سوال ؟ اجر محبت پہ وہ بگڑ بیٹھا
عتاب کرتا ہے جب لا جواب ہوتا ہے

سنبھل کے بیٹھ ذرا دل کو تھام اے شاداںؔ
کسی کا حسن ابھی بے نقاب ہوتا ہے

”تاج پتھر کو ہے پہنایا ہوا“

جمشید اعظم چشتی

کھل اُٹھے گا پھول مرجھایا ہوا
چاند اک سورج ہے دھندلایا ہوا
شام کے پہلو میں کوئی جل بجھا
آشنا سائے سے جب سایا ہوا
کھل رہے تھے پھول چہروں کی طرح
پھول سا چہرہ تھا مرجھایا ہوا
مل نہ پایا آنکھ کو اک گھونٹ تک
شہر میں سیلاب تھا آیا ہوا
کانچ کے لوگوں نے کس امید پر
تاج پتھر کو ہے پہنایا ہوا
ہم پہ بھی ٹوٹا تھا نیلا آسماں
ہم نے بھی اک زخم ہے کھایا ہوا
بھر گیا کاسہ ، غنی کی خیر ہو !
کیوں برس کر ابر ہے چھایا ہوا
دشت میں یاد آ گیا جمشید کو
گیت اک ملاح کا گایا ہوا

”میرا گھر اب سنورتا جا رہا ہے“

بشریٰ حفیظ صاحبہ

زخم جیسے ہی بھرتا جا رہا ہے
یہ دل اندر سے ڈرتا جا رہا ہے
سمندر پر سکوں پر اس کے پیچھے
چھپا طوفاں نظر اک آ رہا ہے
جب باہر پھینک دی ساری آلائش
میرا گھر اب سنورتا جا رہا ہے

کھلونوں سے کبھی جو تھا بہلتا
وہ بچہ اب بدلتا جا رہا ہے
ذرا چنچل ہوا کو روک لینا
میرا گیسو بکھرتا جا رہا ہے
جو آنسو آنکھ سے نکلا تھا بشریٰ
وہ بارش بن کے گرتا جا رہا ہے

”جب جی چاہے موت بچھا دو بستی میں“

راحت اندوری

سب کو رسوا باری باری کیا کرو
ہر موسم میں فتوے جاری کیا کرو
راتوں کا نیندوں سے رشتہ ٹوٹ چکا
اپنے گھر کی پہرے داری کیا کرو
قطرہ قطرہ شبنم گن کر کیا ہوگا
دریاؤں کی دعوے داری کیا کرو
روز قصیدے لکھو گونگے بہروں کے
فرصت ہو تو یہ بے گاری کیا کرو
شب بھر آنے والے دن کے خواب بنو
دن بھر فکر شب بے داری کیا کرو
چاند زیادہ روشن ہے تو رہنے دو
جگنو بھیا جی مت بھاری کیا کرو
جب جی چاہے موت بچھا دو بستی میں
لیکن باتیں پیاری پیاری کیا کرو
رات بدن دریا میں روز اترتی ہے
اس کشتی میں خوب سواری کیا کرو
روز وہی اک کوشش زندہ رہنے کی
مرنے کی بھی کچھ تیاری کیا کرو

خواب لپیٹے سوتے رہنا ٹھیک نہیں
فرصت ہو تو شب بے داری کیا کرو
کاغذ کو سب سونپ دیا یہ ٹھیک نہیں
شعر کبھی خود پر بھی طاری کیا کرو

''لہو اچھال کہ کچھ زندگی میں جان پڑے''

راحت اندوری

یہ خاک زادے جو رہتے ہیں بے زبان پڑے
اشارہ کر دیں تو سورج زمیں پہ آن پڑے
سکوت زیست کو آمادۂ بغاوت کر
لہو اچھال کہ کچھ زندگی میں جان پڑے
ہمارے شہر کی بینائیوں پہ روتے ہیں
تمام شہر کے منظر لہو لہان پڑے
اٹھے ہیں ہاتھ مرے حرمت زمیں کے لیے
مزا جب آئے کہ اب پاؤں آسمان پڑے
کسی مکین کی آمد کے انتظار میں ہیں
مرے محلے میں خالی کئی مکان پڑے

''ایسا اجڑا ہے مری خوشیوں کا سنسار کہ بس''

بشارت سکھی

کتنا دل کش ہے ترے پیار کا اظہار کہ بس
روح تک ہو گئی ہے مری سرشار کہ بس
زیست ہر لمحہ ہوئی جاتی ہے آزار کہ بس
ہو رہے وقت کے ہاتھوں سبھی لاچار کہ بس
تند لہجوں سے سدا گھاو کھرچنے والے
ہم کو تو ایسے ملے ہیں سبھی غم خوار کہ بس
بعد تیرے تو ہنسی روٹھ گئی ہونٹوں سے
ایسا اجڑا ہے مری خوشیوں کا سنسار کہ بس

ماورا لمس کی چاہت سے محبت ہے مری
ہم نے تو رکھا محبت کا یہی معیار کہ بس
جسم خاکی سے کہاں عشق نبھایا جائے
عشق تو کھینچ کے لے جائے سر دار کہ بس
درد وہ دل میں اٹھے ہے کہ نہ پوچھو ہمدم
فرقت غم نے ہمیں ایسا کیا لاچار کہ بس
رنج و غم ہی تو مری زیست کے مخزن ٹھہرے
عمر بھر سینت کے رکھا یہی سنسار کہ بس
ربط کیسا ہے مرا درد کی زنجیروں سے
ہر قدم پر ہے اٹھی درد کی دیوار کہ بس
ایک مسکان کی قیمت یوں چکائی دل نے
چھن گئے ہوش و خرد کر دیا لاچار کہ بس
باندھ رکھا تھا جسے صبر کے دھاگوں سے سکھی
ضبط یوں ٹوٹ کے رویا ہے مرے یار کہ بس

''ہم سراپا غم ہوئے تو آپ درماں ہو گئے''

راجہ محمد یوسفؔ خان

پارسا ایسے پسِ دیوارِ زِنداں ہو گئے
آپ کے عاشق جو کافر تھے مسلماں ہو گئے
گریۂ شب سے ہوئیں شفاف نظریں اِس قدر
جس قدر مبہم تصوّر تھے نمایاں ہو گئے
جادۂ عشق و وفا میں ہر قدم جاں سوز تھا
ہم سراپا غم ہوئے تو آپ درماں ہو گئے
فصلِ گل میں غنچۂ ہائے دِلرُبا کیا وا ہوئے
زخمِ دِل ایسے کُھلے چاکِ گریباں ہو گئے
فاصلے بڑھنے لگے جب دوستوں کے درمیاں
عہد و پیماں ٹوٹ کر خواب پریشاں ہو گئے
عِشق میں محتاط رہ کر کیا مِلا یوسفؔ ہمیں
عقل مہنگی پڑ گئی جذبات ارزاں ہو گئے

RH ACCIDENT CLAIM SERVICES LTD

Give us a call on 020 3674 7909

RH ACCIDENT CLAIM SERVICES LTD

free professional, friendly and confidential advice

24 Hours Phone Service - 7 Days a Week DIAL 07792998973

Have you been injured in an accident that wasn't your fault?

If so, we're here to help

REPLACEMENT CAR WITHIN 24 HOURS

Loss of earnings - Protection of no claim - storage and recovery - personal injury - replacement car

Road Accident

Personal Injury

Accident at Work

Fall, Slip & Trip

Personal Injury Specialist

No win No fee

2 London Road, SM4 5BQ Morden - Surrey
Opening Hours: Mon-Fri 10:00 - 17:00
Tel. 020 3674 7909 Mob. 077 9299 8973
Email: info@rhacs.co.uk

TAKE AWAY - DELIVERY
OPEN 7 DAYS A WEEK
TILL LATE
ZheGerman
DONER & SHAKE
Coca-Cola
DONER KEBAB
£5.99
WITH FRIES & DRINK
£7.99
Seriously German Kebabs...
Follow us ZheGermanUK
Free Delivery Call us
TEL: 020 3638 4216
Delivery Prices are Different
Website Order 10% OFF
www.zhegerman.com
BRANCH 1 : 21 Morden court Parade, Morden SM4 5HJ
BRANCH 2 : Broadway Market, Tooting High Street London Sw17 0RJ
حلال
100% HALAL
FOR DELIVERY, ORDER VIA OUR DELIVERY PARTNERS
UBER eats
JUST EAT
deliveroo